

U16376 P-23-1209

He - KULLIYAT-E-NAZM-E-HALI (Part-1)

Author - Khuraja Altaf Hussain Hali; Musattifa
Sheikh Mohd. Ghameel.

Editor - Hali Books Dibo (Panipat).

Date - 1924

Pages -

Subjects - Urdu Shayari - Urdu Literature -
Panipat

إِنَّ مِنَ الشَّعْرِ حِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

کلیات نظم حالی

یعنی

شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم پانی پتی

تمام منظوم کلام کا مکمل مجموعہ

جلد اول

مشتملہ قطعات - غزلیات و رباعیات

مترتبہ

شیخ محمد اسماعیل سکرتری اور نیشنل پبلک لائبریری پانی پت

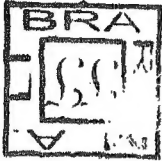
شائع کردہ

حالی بک ڈپو پانی پت

قیمت قسم دوم ایک روپہ مارواڑی

اول دورو پیسے مارواڑی

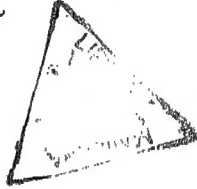
FIELD SECTION



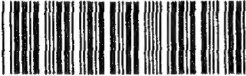
291591
0.11.23
17524

CHECKED

245.02



M.A. LIBRARY, A.M.U.



U16376

[Handwritten signature]

فہرست مصامین کلیاتِ نظمِ حالی جلدِ اول

صفحہ	عنوان نظم	صفحہ	عنوان نظم	صفحہ	عنوان نظم
۱۵	استفادہ	۲۳	دوبارہ	۵۰۲	دوبارہ
۱۶	{ لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں }	۲۴	۵۰۲	۵۰۲	حصہ اول - قطعات
۱۷	سخن سازمی	۲۵			{ از صفحہ ۱ تا صفحہ ۵۰ }
۱۸	عادت کا غلبہ عقل پر	۲۶	۱		چھوٹوں کا بڑا بھانا
۱۹	شہر کو سلطنت میں داخل دینا	۲۷	۲		شہر سے خطاب
۲۰	لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنی خوش	۲۸	۳		مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر
۲۱	نہیں تھے جتنے کہ اچھے عیب سن کر	۲۹	۴		نکتہ چینی
۲۲	شایستہ لوگوں کا بڑا وسائل کے ساتھ	۳۰	۵		بے تیزی اہل اس کے زبان
۲۳	اسرار	۳۱	۶		ایک خود بخود امیر زادہ کی نفسیہ
۲۴	پاس نیکنامی	۳۲	۷		موجودہ پولیس کی سبب
۲۵	غزور نیکنامی	۳۳	۸		بری کر کے نیکی کی توقع نہ تھی
۲۶	کالے اور گورے کی صحت کا میڈیکل مشورہ	۳۴	۹		تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر
۲۷	خود ستائی	۳۵	۱۰		سید احمد خاں کی تکفیر
۲۸	حکم نفس	۳۶	۱۱		قرض لیکر چھ کو جانے کی ضرورت
۲۹	{ جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا بڑھا نہیں جتنا اسرار }	۳۷	۱۲		آزادی کی قدر
۳۰	روسانے حمد کی قیاضی	۳۸	۱۳		انگلستان کی آزادی اور ضرورت کی غلامی
۳۱	ایمان کی تعریف	۳۹	۱۴		سید احمد خاں کو مخالفت کی وجہ
۳۲	برکت اتفاق	۴۰	۱۵		خط اہل اللہ
۳۳	بعدِ صوری مانع قرب معنوی نہیں ہے	۴۱	۱۶		نوکر میں برکت گیری کر نیکا انجام
۳۴	{ ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز }	۴۲	۱۷		نیشن کی تعریف
۳۵	خادم آقا کی خدمت میں کیوں	۴۳	۱۸		صفائی نہ دینے کا عذر
۳۶	گستاخ ہو جائے پس ؟	۴۴	۱۹		دلی کی شاعری کا تنزل
۳۷	خوشامد کی ضرورت	۴۵	۲۰		بسیوں کی نسبت
۳۸	رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا	۴۶	۲۱		{ سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید }
۳۹		۴۷	۲۲		یقین

نمبر شمار	عنوان علم	صفحہ	نمبر شمار	عنوان علم	صفحہ
۴۵	شریک	۲۶	۴۹	قطرہ مرتبہ ۹۰ سالہ بمقام حیدر آباد	۳۸
۴۶	قانون	۲۷	۵۰	قطرہ در شکر اضافہ وظیفہ پیش گاہ	۳۹
۴۷	شادی قبل از وقت بلوغ	۲۸	۵۱	جناب سر آسمان جاہ بہادر مرتبہ ۱۲۹۹	۴۱
۴۸	حرص	۲۹	۵۲	شرکہ قدیم حضور شاہزادہ دیز در سن و شان	۴۲
۴۹	امرار	۳۰	۵۳	آخری سہارا	۴۳
۵۰	عصمت بی بی از بے چادری	۳۱	۵۴	ترغیب ادا یتیمان	۴۴
۵۱	سچ کہاں ہے؟	۳۲	۵۵	شہر حیدر آباد	۴۵
۵۲	اپنا الزام دوسروں پر توہینا	۳۳	۵۶	تہنیت ن نشینی حضور نظام و کن	۴۶
۵۳	خوشامد کے معنی	۳۴	۵۷	حاضرین کا نفرین سے خطاب	۴۸
۵۴	نذیر قیام سلطنت	۳۵	۵۸	قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ	۴۹
۵۵	مرد و عورت کی حکومت کا فرق	۳۶	۵۹	علی گڑھ کالج کی اسکاٹا ہے؟	۵۰
۵۶	مغزوہ کی پہچان	۳۷	۶۰	شکریہ مسٹر نور	۵۱
۵۷	کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد	۳۸	۶۱	مشر مارین کی روانگی ولایت	۵۲
۵۸	گدا سے مہرم	۳۹	۶۲	خطاب بہ حاذق الملک	۵۳
۵۹	بے اعتدالی	۴۰	۶۳	شکریہ مساعی حمیدہ ظفر طیحاں	۵۴
۶۰	طیب اپنے بیماروں کے مرنے پر منہموم کیوں نہیں ہوتے۔	۴۱	۶۴	حصہ دوم - غزلیات	۵۵
۶۱	اپنی ایک ایک غمخیز کو بار بار ظاہر کرنا	۴۲	۶۵	[از صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۳۰]	۵۶
۶۲	فقول خرمی کا انجام	۴۳	۶۶	حصہ سوم - رباعیات	۵۷
۶۳	اخلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا	۴۴	۶۷	[از صفحہ ۱۳۱ تا صفحہ ۱۶۸]	۵۸
۶۴	انسان جو اثرات المخلوقات ہے	۴۵	۶۸	چند بازی کا انجام	۵۹
۶۵	سب سے زیادہ مورد آفات ہے	۴۶	۶۹	قوم کی پاسداری	۶۰
۶۶	چند بازی کا انجام	۴۷	۷۰	قطرہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مرتبہ	۶۱
۶۷	قوم کی پاسداری	۴۸	۷۱	تہنیت ولادت فرزند ارجمند در شان	۶۲
۶۸	قطرہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر	۴۹	۷۲	اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر	۶۳

- ۱۔ تعداد قطعات ۸۲
۲۔ تعداد غزلیات ۱۲۲
۳۔ تعداد رباعیات ۱۳۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

نگلیاتِ نظمِ حالی

اردو شاعری کے مجدد اور حکیمانہ نظم کے موجد "سعدی ہند" شمس العلماء مولانا خواجہ الطاف حسین
 حالی پانی پتی کا نام نامی ہندوستان بیک میں اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ہر کہ دمہ
 آپ سے واقف اور ہر چھوٹا بڑا آپ کی پرسوز نظموں کا دلدادہ ہے۔ مولانا نے جو کیفِ آئینہ روح ہادی
 شاعری کے مردہ اور بیجان جسم میں ڈالی ہے اور اردو نظم کو جسمیںِ بخش شعروں، ناپاک داسوختوں، خروٹوں
 مٹوئیوں، گندگی سے بہری ہوئی غزلوں، ہجر و دھماکے کے جھگڑوں، آسمانوں کی ٹسکائیوں، رقیب
 کی ہزائیوں، کل دیبل کے تذکرہ کی گنگھی چوٹی کی داستانوں، عاشق کی دغاؤں، معشوق کی
 کچ ادائیگوں، انتہائی راتوں، فراق کی بیقراریوں، واعظوں اور ناصحوں پر صلواتوں اور پھبتیوں
 کے سوا بالعموم کچھ نہ تھا اور وہ جس اور پلید شاعری جس کا دفتر بے پایاں مولانا کے اس مصرع کا مصداق
 ہو رہا تھا کہ "دعوت سے سنا اس سے جو ہے بدتر" اُسے اس ادنیٰ اور ذلیل حالت سے مولانا
 نے جس معراجِ ترقی پر پہنچایا اور جیسے خوشما نقش و نگار اور مغربِ پھول بوئے اُٹھیں بنا کے ہیں
 اور اُسے جس قدر اخلاقی، انصافانہ، ادبی اور فلسفیانہ سانچے میں ڈھالا ہے وہ باخبر اصحاب سے
 مخفی نہیں۔ آپ ہی کی ان تحکک کوششوں اور زبردست معاشی جیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ہم اردو نظم
 کو اس حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ بفضلِ خدا اس میں بہرِ قسم کا پاکیزہ لٹریچر قیام ہے۔ جس میں

روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ الہیات کے مسائل اس میں طے کئے جاتے ہیں۔ کتب مقدسہ
 الہامیہ کے تراجم اس میں کئے جاتے ہیں۔ حدیثوں کا مطلب اس میں بیان کیا جاتا ہے۔
 بزرگان دین کے ملفوظات اس میں لکھے جاتے ہیں۔ اخلاقی مضامین اس میں پائے جاتے
 ہیں۔ اصلاحی امور اس میں بتائے جاتے ہیں۔ تاریخی واقعات اس میں تحریر کئے جاتے
 ہیں۔ ادبی جواہر ریزے اس میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سائنس اور طبی مسئلے اس میں قلمبند
 کئے جاتے ہیں۔ غرض ہر قسم کی مفید و نفع بخش اور کارآمد معلومات کو نظم کا لباس پہنایا جا رہا ہے
 یہ سب کچھ تو ہے مگر تحت الشریعہ میں گری ہوئی اور بلا مبالغہ نجاست کے سمندر میں ڈوبی
 ہوئی ہماری شاعری کو پاک و مطہر بنا کر اعلیٰ درجہ کی بلندی تک پہنچانے کا سہرا کس کے سر ہے؟
 اگر آپ ادیبوں کی ایک محفل میں یہ سوال کریں تو درود یار تک سے یہی صدا آئیگی کہ ”حالی کے“
 ”حالی کے“

اخلاقی اور اصلاحی نظم کا جقدر بیش بہا ذخیرہ حالی نے یادگار چھوڑا ہے (اور جس سے قبل انہیں ہماری
 نظم گویا بالکل تھی دست تھی) وہ ہمارے اس دعوے کی ایک زبردست اور روشن دلیل ہے۔
 نصیحت کی باتیں عوام کو ڈوبی۔ کیلی اور ناگوار طبع ہوا کرتی ہیں۔ دیکھ لو اس قسم کی کتابوں
 کو کتب فروشوں کی الماریوں میں کیڑے کہا رہے ہیں اور کوئی انہیں دیکھے کو نہیں پوچھتا۔
 الامنشا اللہ مگر حالی نے انہیں کر ڈوبی باتوں کو ایسے مفرح اور لذیذ شہد میں تبدیل کر دیا کہ
 لوگ انگلیاں چاٹتے رہ گئے اور یہی وجہ تھی کہ حالی کی نظم شہرت کے پرگٹا کر اڑی اور دیکھتے
 دیکھتے سارے ہندوستان میں پہل گئی۔ کوئی سمجھ نہ رہا جس کی زبان پر حالی کے اشعار نہ
 ہوں۔ کوئی جوان نہ رہا جس نے فرے لے لے کر حالی کی نظمیں نہ پڑھی ہوں۔ کوئی بوڑھا نہ رہا
 جس نے حالی کا کلام نہ سنا ہو۔ بیلے سارنگی تک پر وہ گایا گیا۔ حال دخال کی محفلوں میں وہ
 پڑھا گیا۔ مسجد کے میزوں پر وہ سنایا گیا۔ قومی جلسوں کی وہ زینت رہا۔ سیاسی اجتماعوں
 میں اسکا ذکر آتا رہا۔ مذہبی تصانیف میں وہ نقل کیا گیا۔ طلباء کے کورس میں وہ داخل کیا گیا۔
 غرض ملک کے طول اور عرض میں جس ذوق و شوق اور دلچسپی کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا گیا
 اور جتنی بے انتہا شہرت اُسے حاصل ہوئی وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اخلاق۔ اصلاح معاشرت
 اور ہندو موعظت کے جو پھلتے ہوئے پھول اس ہندو قوم نامح کے منہ سے چھڑے وہ دنیائے

شاعری میں اپنی مست و بیخود کرینے والی ہنک سے فضا کے عالم کو ہمیشہ معطر کرتے رہیں گے ایک دنیا اُن سے فیضیاب اور ایک عالم اُن سے مستفید ہوگا۔

حالی کے کلام کی شہرت صرف وطن ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ نہایت جلد مولانا کی زندگی ہی میں ہندوستان سے نکل کر سمندروں کو طے کرتی ہوئی فرانس اور انگلستان تک پہنچ چکی تھی اور اہر سہارنوں کو عبور کر کے افغانستان اور اس سے گذر کر ایران تک کے پڑے لیے اشخاص حالی کے نام سے روشناس ہو چکے تھے۔ خود اُن کے اپنے وطن میں متعدد زبانوں میں کئی لافانی اور اثر انگیز نظموں کے تراجم نہایت اہتمام اور نفاست کیساتھ شائع ہو چکے ہیں لکن تمام مطبوعہ کلام پر تقضیعی ریویو اور تبصرہ کرنے کی تو خود اس زبان میں جس میں وہ کلام موجود ہے اب تک کسی کو توفیق نہیں ملی لیکن ہندی میں یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا ہے۔ اُن کی مشہور و معروف نظم ”بیوہ کی مناجات“ نہ معلوم کس در در کے ساتھ اور کیسی نیک ساعت میں لکھی گئی تھی کہ اب تک دس سے زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں اور اُن کا سلسلہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ خود اردو میں اُن کے کلام کی مقبولیت اس درجہ بڑھی کہ غالباً کوئی کتب فروش نہیں جس نے حالی کی نظمیں فروخت کی ہوں اور کوئی مطبع نہیں جس نے حالی کا کچھ نہ کچھ کلام نہ چھاپا ہو۔ ایک ایک نظم اور ایک ایک کتاب کے بیسیوں ادیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اُن کی مدرس جتنی مرتبہ ملک کے مختلف مطالع سے چھپ کر شائع ہوئی وہ اس اثر اور جوش میں دوہنی ہوئی عظیم النظم کی حد سے بڑھی ہوئی مقبولیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔ ایک سے ایک اعلیٰ اور اسی ہی وضع و طرح کے بہت سے نفیس اور خوبصورت ادیشن مدرس کے شائع ہو چکے ہیں اور ایک ایک وضع کا ادیشن دس دس اور پندرہ پندرہ مرتبہ شائع ہو کر دیکھتے دیکھتے ختم ہو چکا ہے۔ مطالع والوں نے اس کی بدولت سیکڑوں روپے حاصل کئے اور کتب فروشوں نے اس سے ہزاروں کمائے۔ وہ حالانکہ ۱۸۷۷ء میں تصنیف کی گئی تھی اور اس کے بعد کی سیکڑوں تصانیف آج دنیا کو بالکل فراموش ہو چکی ہیں۔ لیکن مدرس کی اشاعت و دوری مقبولیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی۔ آج بھی وہ ہر کتب فروش کی دوکان کی اسی لح زینت ہے جیسے آج سے قبل گذشتہ چالیس برس کے زمانہ میں رہی ہے۔ بلکہ جوں جوں زمانہ گذرے گا جیگاہ یقین ہے کہ اس کی اشاعت اور قبولیت بڑھتی ہی جائیگی۔

مولانا نے ایام جوانی سے شریعت شروع کی اور آخر تک کچھ نہ کچھ کہتے رہے و تینا و تھنا جو کچھ اور جعفر اس سعدی ہند کے تھے بکھارا وہ چھپ کر شائع ہوتا رہا۔ لیکن کلام کا یہ مجموعہ متفرق اور پراگندہ حالت میں تھا اور سب ایک جگہ اکٹھا دستیاب نہ ہوتا تھا۔ کوئی نظم کہیں ملتی تھی اور کوئی نظم کہیں۔ اس کی کو سب پہلے خود مولانا نے محسوس کیا اور اسی وجہ سے آخری عمر میں مولانا کی بڑی خواہش یہی تھی کہ اپنی تمام کلیات نظم مرتب کر کے چھپائیں جو ان تمام چھٹی بڑی نظموں کا مکمل مجموعہ ہو جو شروع سے لیکر آخری وقت تک آپ کے قلم سے نکلیں اس خواہش کا تذکرہ مولانا نے ان متعدد خطوط میں ہی کیا ہے جو اس زمانہ میں آپ نے اپنے اغراض و احوال کو لکھے ہیں اور جو اگرچہ مرتب ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک ان کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔

اس خواہش کی تکمیل مولانا نے باوجود ضعف و قناعت۔ پرانہ سالی اور مختلف عوارض و صدمات خانگی کے نہایت بہت کے ساتھ اس طرح شروع کی کہ پہلے نہایت محنت اٹھا کر اپنا تمام پراگندہ فارسی اور عربی نظم و نثر کلام جمع کرنا شروع کیا اور شب و روز کی محنت شاقہ سے اس کو مکمل کر کے چھپنے کے لئے پہنچا۔ مولانا کے انتقال سے صرف پانچ جہینے پہلے اگست ۱۹۱۲ء میں یہ مجموعہ چھپ کر شائع ہو چکا تھا۔ و حقیقت یہ ایسا مشکل اور اہم کام تھا کہ اگر خود مولانا اپنے ہاتھ سے اس تکمیل نہ کر جاتے تو بعد میں اسکا شائع ہونا نہایت محال اور قریب ناممکن کے تھا۔

مولانا کا ارادہ تھا کہ یہ مجموعہ اپنی اردو کلیات نظم کے آخر میں بطور ضمیمہ کے ملتی کریں اور اسی لئے مولانا نے اس مجموعہ کا نام ضمیمہ کلیات نظم اردو رکھا تھا۔ لیکن اس کی عام طور پر شاعت نہیں ہوئی اور یہ ہنوز الماریوں میں بند پڑا ہے۔ ضمیمہ کے بعد اصل کتاب یعنی اردو کلیات نظم کی تدوین کا نمبر تھا کہ اجمل نے زیادہ مہلت نہ لینے دی اور افسوس کہ دسمبر ۱۹۱۲ء کی آخری رات نے مولانا کو ہمیں ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ ط۔

مولانا کے بعد کسی نے اس طرف توجہ نہ کی اور کام بچ کاپی میں رہ گیا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا کام تھا کہ اب سے بہت پہلے اسکا تکمیل کو پہنچ جانا ضروری تھا اور اپنی کلیات نظم شائع کرنے کی

وہ خواہش جو مولانا کے دل ہی میں رہی انہی وفات کے بعد نہایت جلد پوری ہو جانی چاہیے تھی۔
 لیکن اگرچہ ملک میں اہل قلم حضرات اور لائق و ماحول کی کمی نہ تھی جو اسے یقیناً زیادہ بہتر حالت میں
 اور باہمی مرتب کر سکتے تھے۔ مگر مولانا کے انتقال کو آج نو برس ہو چکے لیکن انہوں اس طویل مدت میں کسی نبرد
 خدا کو اسکا خیال پیدا ہوا۔ اور ادھر کلام حال کی قبولیت اور ہر دو غریبی کا یہ عالم تھا کہ مولانا کی نظیں تفرق اور
 علیحدہ علیحدہ چھوٹ کر گزرت اور بہت مدت روخت ہو ہی تھیں اور وہ وقت بھی آگیا تھا کہ حالی کا بہت سا کلام دریا
 انہیں آیام میں ہی نے مولانا کا تمام غیر مطبوعہ اور اخبارات کے فائلوں میں منتشر شدہ
 کلام نہایت تلاش سے جمع کر کے گزشتہ سال جو اہرات حالی کے نام سے شائع کیا۔ اسکی
 ترتیب سے فراغت کے بعد میں مولانا کی قطعات نظم مرتب کرنے کی طرف متوجہ ہونا کہ مولانا کی
 وہ آرزو پوری ہو جائے جس کی تکمیل کی خواہش افسوس ہے کہ مولانا اپنے ساتھ لے گئے۔
 اس کی ترتیب میں زیادہ وقت صرف نہیں ہوا اور الحمد للہ کہ میں نہایت قلیل مدت
 میں اس کی تکمیل سے فائدہ ہو گیا۔ ثمرات سہی جناب کے سامنے ہیں۔ اس کتاب سے اردو لٹریچر
 کی ایک متمم بالشان کی پوری ہونے کے علاوہ شائقین کو حالی کی نظموں کی علیحدہ علیحدہ
 تلاش کی زحمت سے بھی نجات مل جائے گی۔ نیز نظموں کے متفرق اور علیحدہ علیحدہ فروخت
 ہونے کی وجہ سے کچھ زمانہ گزرنے کے بعد جو بعض نظموں کے کیاب یا ضایع ہو جانے کا اندیشہ
 ہے۔ تمام کے ایک مجموعہ میں مرتب ہو جانے سے وہ بھی رفع ہو جائے گا یہ بالکل واقعہ ہے
 کہ اگر ایسی سخت ضرورت کے وقت بھی اس کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی برتی جاتی تو کچھ
 عرصہ اور گزر جانے پر اس کی ترتیب محال نہیں تو کم از کم دشوار ضرور ہو جاتی۔
 نظموں کے جمع اور تراجم کرنے میں میں نے تلاش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ اور یہی
 طرف سے اس امر کی پوری کوشش کی ہے کہ یہ کتاب مولانا کی تمام اور کل نظموں کا جامع اور مکمل
 مجموعہ ہو۔ اگر شاید کوئی نظم چھوٹ گئی ہو اور کسی صاحب کے پاس ہو تو اسے میرے پاس بھیج دیں
 مع شکریہ کے دوسرے اڈیشن میں شامل کر دی جائیگی۔
 نظموں کی ترتیب میں نے حنف وار رکھی ہے یعنی تمام اقسام کی نظیں علیحدہ علیحدہ مرتب
 کی ہیں۔ مثلاً تمام قطعات ایک جگہ جمع کر دیے ہیں۔ تمام غزلیں ایک جگہ ہیں۔ تمام رباعیات
 علیحدہ ہیں۔ و قس علی ہذا۔ تمام کلیات کی چار جلدیں ہیں۔ ہر ایک جلد متعدد و حصص پر تقسیم ہے
 اور ایک حصہ میں تمام ایک ہی قسم کی نظیں ہیں۔ تدوین کتاب کے وقت یہی ترتیب کچھ پہلی

حکوم ہوئی ورنہ بریپ کی ہیں اور سویریں ہی وہن میں ہیں۔
 کلیات کا مسودہ میں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ ایک ایک شعر کا
 متعدد نسخوں سے مقابلہ کر لیا ہے تب لکھا ہے۔ کتاب کی کاپیاں مطبع سے آئیں تو ایک
 چھوڑ تین تین مرتبہ ان کا بغور مطالعہ کر کے غلطیوں کو درست کیا۔ غرض حتی الامکان غلطی کا
 امکان نہیں رہنے دیا۔ اسے کثیر و ہم کے بعد بھی اگر پیش نظر صفحات میں کوئی ایک آدھ
 غلطی رہ گئی ہو تو ناظرین سمجھ لیں کہ مزید احتیاط میرے اختیار سے باہر تھی۔
 دیباچہ ختم ہو گیا۔ اب اصل کتاب شروع کرتا ہوں۔ خدا جن قبول روزی کرے اور
 اس کو سندس کی سی بلکہ اس سے بھی دھ چند قبولیت نصیب ہو۔ از جلد جاں آمین باد۔

خاکسار

محمد اسماعیل ازبانی پٹ

جنوری ۱۹۲۲ء



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ إِنَّ رَبَّنَا إِنَّهُ لَكَنُورٌ وَهُوَ يُضِيهِ لِلَّذِينَ يُنْفِخُونَ فِي الصُّومِ النَّفْثَ الْكَاثِرَ

حصہ اول

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے
کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
”دیکھ لو! ان میں جتنے ہیں خط
کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگاے
وہ یوں نہیں چھوٹے خط کو بڑھا“
ایک نے جتنے خط تھے بڑے
اُٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیش نظر
خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اٹھا کر آنکھ جدم
تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہر یارو بات کہ تھی
قوم میں باقی جان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب
آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں
اُختل و اعشیٰ کے ہمتا

مستیوں میں ایسے بے بہت جن پہ لہ نازاں بھی انشا
 شر میں تھے استاد اکثر سحر بیان اور نکتہ سرا
 لے گئی اُن کو آخر کار بحر فنا کی فوج ہوا
 اہل ہند کا نام و نشان قوم میں جب باقی نہ رہا
 حالی و زید و عمر بنے صاحب دیوان نام خدا
 اب چاہو۔ استاد گنو یا نہیں سمجھو تم کیا
 ہم ہیں وہی ناچیند۔ مگر گبڑ نا موت الگ بڑا

شر سے خطاب

لے شر و فریب ہو تو۔ تو غم نہیں پر تھپہ حیف ہے۔ جو ہنود لگدا تو
 صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو
 جو ہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو
 حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہاں کو آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
 تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز دھوکے کا غرق کر کے رہیگا جہاز تو
 وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری قبلہ ہوا اب اوھر تو نہ کہجھنسا تو
 اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو
 ناک اوپری دوا سے تری گر چڑھائیں معذ ورجان اُن کو جو بے چارہ ساز تو
 چپ چاپ اپنی سچ سے کئے جادلوں میں کھر ادب اچھی نہ کر علم امتیاز تو
 جو نابلد ہیں اُن کو بتا چور بن کے رٹا گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو

۱۵ یعنی بڑے آدمیوں کی موت سے ہمیں بڑا کر دیا ۱۲

۱۵ بلد واقف راہ اور نابلد ناداقت راہ ۱۲

عزت کا بھید ملک کی خدمت میں ہو چھپا
اے شعر راہ راست پہ تو جب کہ پڑ لیا
کرنی ہو فتح گرنی دُنیا تو نے مکمل
ہوتی ہو تیج کی قدر۔ یہ بیداریوں کے بعد
جو قدروان ہو اپنا اُسے منتہم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہو کر اُس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف
اپنی سودا بھتی جو عشق کا کرتے تھے بیان
اب کہ الفت ہو نہ چاہت جوانی نہ انگ
گر غزل لکھنے تو کیا لکھنے غزل میں آخر
آپ بیتی نہ ہو جو۔ ہے وہ کہانی بے لطف
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا خیروں کے بیاں
کھینچئے وصل صنم کی کبھی نہ خیزی
تاکہ بھر جائے جوانوں کے دل آتش کھیل
پر یہ ڈر ہو کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل

طبع رنگیں تھی مے عشق کی جیب متوالی
جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سرسبز حالی
سر ہو سوا ہے تھی عشق سودل ہو خالی
نہ رہی خیر وہ مضمون سو جھانے والی،
گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زباں ٹکسالی
لائے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کیجئے درو جدائی کی کبھی نفالی
وہ ہوا جس دماغ اپنا ہوا ہو خالی
”تجسہ چوں پیر شود پیشہ کُند دلالی“

نکتہ چینی

بائے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں
کیجئے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ
دیجئے معنی کے نظمِ نثر میں یا ہا

جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجئے
اس میں ایک اپنا پسینا اور لہو کر دیجئے
اور سخن کی وادہ رہو جو اس سے لیجئے

اور نہ ہو کر شعرواں کی لیاقت پین شاوہوں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجئے

بے تمیزی اہل زمان

از روہ فخر آبلینہ سے یہ میرے نے کہا
جنس تیری کس میں اور قدر و قیمت تیری بیچ
دے کے دھوکا تو اگر الماس بچائے تو کیا
مگر اگر آبلینہ نے یہ میرے سے کہا
بچھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز
تیرے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں
ہو جو داسے بتل تیرا برابر اور عدم
تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ کم ہو نیکام
استحاج کے وقت کھلجا تاہم سب تیرا بھرم
گو کہ سبے رتبہ ترا مجھ سے بڑا ہے محترم
ہیں تبصریے اس بازاں پر ساریں کم
تجھ سے لے الماس لیکن چھ پڑتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی توضیح

کہتے ہیں اس امیر زادہ کو
خصلتیں جو امیر زادوں میں
گو کہ رکھتا تھا ہنس کوئی
کچھ نہ تھا۔ پر سمجھتا تھا سب کچھ
داد داسٹے سنتے یا روں کی
الغرض ایک روز صبح میں
مشق تیر افغانی میں تھا مصروف
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال
تیر تجھنے کمان سے چھوٹے
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
تھا خدنگ افغانی کا شوق کہیں
لازمی ہیں۔ وہ اس میں بھی سب بھیس
ایں پہ تھا خود پسند اور خود میں
علم تیر و کہاں میں اپنے نہیں
ہو گیا تھا ہنس کا اپنے یقین
جب کہ تھے ساتھ سب جلیں قرین
کر رہے تھے خوشامدی تھیں
وجہ تحین ہوئی نہ ذہن نشین
پائے سب بے اصول بے آئین
تیر۔ آماجگہ کے کوئی مستریں

بدی کر کے نیکنامی کی توقع رکھنی

نامنصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
برتاؤ سے نالان تھی بہت جگے رعیت

جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہ شرارت
”ہین پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہین کیسا؟“

کرتے ہیں ہماری وہ سائنس کہ مذمت؟
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بد آواز

جس کو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت
کاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے

ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو۔ تاکہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری

آواز خوش آئینہ دیات ابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا ”ذینت و اسباب پہ جوگ اترتے ہیں۔ اگلے لمحے وہ نہیں بھاتے“
حالی نے کہا ”جن کو ہوا اترنے سے نفرت اترے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے“

سید احمد خاں کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں بعض کے نزدیک تو حیدر اسکی حد تام ہے

ہے کہ جہوئے نزدیک یہ مرد و قول
 کیونکہ اسے ماننا پڑتا ہے اس رحمت کو عام
 بعض کہتے ہیں کہ ”مشرقی تیری سب میں ہیں
 پر یہ حد بھی جامع مانع نہیں عند الفحول
 ایسی کامستی ہے خاص کر اپنا گروہ
 بعض کہتے ہیں ”شمار اسلامیوں کا یہ لباس
 بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ
 مذہب مفہوم ہو لیکن بیان کرنا ضرور
 اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس پر اگر
 جو میں قائل اس کے ان پر کفر کا الزام ہے
 جسے غیر اہل قبلہ جو یہ وہ ناکام ہے
 بس مسلمانوں میں دین اسی کا نام ہے
 کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
 اور سب کا لفظ یا راعیہ سب کو عام ہے
 جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
 حصر کرنا ان تمام آراء کو مشکل کام ہے
 جو مسلم آج کل نزدیک خاص عام ہے
 ”سید احمد رضا“ کو کافر جانتا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

فریب موسمی حج - قرض لے کے اذیندا
 کیا یہ اس سے اک آزاد لے کے اذیندا حضرت
 کہ قرض لے کے چلے ہیں حضورؐ کو حجاز
 نہ مان و نفقہ فرزند و زن سے خاطر جمع
 سنایا - اور بہت ترش ہو کے فرمایا
 وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے
 خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میمانوں کی؟
 جنہیں فراغت و تنگی میں ہو اسی سے امید
 چلا بہ نیت حج - گھر سے سوئے بیت اللہ
 کیا ہے آپ یہ شائع نے حیریا اکراہ؟
 وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
 نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
 کہ ”روکتا ہے مسلمان کو حج سی اذیندا
 لگین خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
 پہنچتے جو کہ میں طے کر کے ہر و بحر کی راہ
 جنہیں سلامت و آفت میں اسی کی پناہ

لے اقوال مختلفہ میں سے جو قول راجع ہوا اس کے ”مذہب مفہوم“ کہتے ہیں ۱۲ حالی

دوست کے بلا کہ ماخوذہ میماؤں کو
ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں
پس کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہ نہیں
بلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا
قدم ہو پختے جانتا کہ پختہ کاروں کے
خدا کے حکم میں مبنی تمام حکمت پر
نامزد و روزہ ہو۔ یا ہو طوان و عمرہ و حج
اسی طرح یہ دسیلے معاش کے ہیں کام
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار

امید لطف کی راہی ہو میزبان سے گناہ
طفیلوں کی نہیں عورتوں میں عزت جاہ
ہو مدعی نہ تجسس میں یان کوئی ہمراہ
ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
جو آن خام کی دانک نہیں ہو پختی نگاہ
فتوح جنہیں ہو دنیا و دین کی خاطر خواہ
حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قریب
نہ جنہیں چاہیے محنت نہ کوشش جانچا
ہزاروں پھرتے ہیں حجاج سادہ لوح تباہ
وگر نہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا۔ حاصل ہو آزادی جنہیں
قدردان ان سے بہت بڑھکر میں آزادی کے ہم
ہم کہ فیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں
قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہوا اتنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا
بینوا کو ہے زیادہ قدر دینا و دردم
تعرف الاشیاء بالاصناف ہے قول حکیم
دیگیا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
یعنی ہر ایک چیز اپنی منزل سے پہچانی جاتی ہے ۱۲

سن کے اک آزاد نے یہ لاف چھکے سے کہا
 ”ہے لشکر۔ موری کے کٹرے کے لئے بارغ ارم“

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی؛

کہتے ہیں ”آزاد ہو جانا ہو جب لیتا ہو سانس
 یان غلام آکر۔ کرامت ہو یہ انگلستان کی
 اسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم

اور کنگز باؤں سے ایک اک کے بیڑی گر پڑی“
 قلبِ باہیت میں انگلستان ہو گر کیمیا
 کم نہیں کچھ قلبِ باہیت میں ہندوستان بھی
 آن کر آزادیاں۔ آزاد رہہ سکتا نہیں وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جنکو لگی

سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ
 کس لئے سید سے صاف ای حضرت الانہیں؟
 کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھیراتے ہیں آپ

ثباتِ اسلام اسکا۔ نزدیک آپ کے گویا نہیں
 آپ بھی (نام خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ
 اور سلوکِ اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
 خود نبوت پر سننے ہیں ہم نے ابراہاد آپ کے

۱۵ یعنی جطر موری کے کٹرے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔
 اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲۔

اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں

چشم بد و در آپ کا بھی جب کہ ہے مشرب و سب

پھر یہ سید پر تیرا آپ کو زیبا نہیں

سُن کے فرمایا ”اگر ہو پوچھتے انصاف سے بات یہ ہے سُن لو صاحب تم کو کچھ بڑا ہنر
رہے کچھ اسکا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہو کیوں؟ بلکہ ساری کوفت ہو اسکی کہ میں ”ایسا نہیں“

فخط اہل اللہ

کُل خانقاہ میں تھی حالت عطارِی جو تھا سو چشم پر نہم۔ اپنا تھا یا پرایا
”دینا سے اُٹھ گئے سب تھے مریدِ حق“ یہ کہ کے شیخ کا دل بیاختہ بھر آیا
”ہنے کہا۔ مریدی باقی رہی نہ پیری“ یہ کہ کے ہم بھی دے اور اُسکو بھی لایا

نو کروں پر سخت گیری کرنے کا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نو کروں پر سخت گیر
در گذر تھی اور نہ ساتھ اُسکے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف

کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں

حسنِ خدمت پر اعضاءِ یہاں وصلہ تو درکنار
ذکر کیا بکھلے جو پھوٹے مُنہ سے اُسکے آدیں

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جیساں سے دوچار

نتھتے پھولے۔ ہنہ چڑھا۔ ماتھے پہ تل۔ ابرو پہ چپیں

تھی نہ جزِ تنخواہ نو کر کے لئے کوئی مستوج

آگے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امین
رہتا تھا اک اک شر الٹا نامہ ہر نوکر کے پاس

فرض جمیں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعین
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار

زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر چائے انگلیں
حکم ہوتا تھا ”شریط نامہ دکھلا دہیں

تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں“
واں سوا تنخواہ کے۔ تھا جس کا آقا ذمہ دار

تھیں کرین جتنی وہ ساری نوکر و نکلے ذمہ تھیں
دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لا جواب

تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستین
ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار

تھک گئے جب ور کرتے کرتے دستِ نازین
وقفہ قابو سے باہر ہو کے بھاگا سا ہوا

اور گرا اسوار صدرِ زمین سے بالائے زمین
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن کباب

کی نظر سائیس کی جانب۔ کہ ہوا کر معین
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا

دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا العین
دور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا

”دیکھ لو سرکار! میں شرط یہ لکھی نہیں“

نیشن کی تعریف

یہ ہے اتنی ہوئی جمہور کی رائے
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے
وہ نیشن کہتے ہیں اس پھیٹر کو بھی
زبان اس کی نہ ہو مضمون اس کو
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو
اسی پر ہے جہاں کا اتفاق اب
زبان جسکی ہو ایک اور نسل و مذہب
ہیں جو اے میں اپنی مذہب
کہ جس میں وحدت مفقود ہوں سب
ہوں آدم تک جدا سب کے جدا
تو لاکھوں اس کے ہوں مجبور اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذر اکیں میلا کھیلا اک غلام
عرض کی ایک اک داں ہو جن کا بلکیر
جو بہن آزاد اور صفائی کا نہیں کھے خیال
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
اسکے پیلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُس کو کی
اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے ہی
عذر پیلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں ہی
کوئی چیز اس کی نہیں سب ہوا انت گوری

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کما از رہ نصاف
چند اہل زباں جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہوا اہل زباں سے
معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا
اردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی کے ہیں ٹٹے
”کرتے ہیں پسند اہل زباں اسکے سخن کو“
بولے کہ ”نہیں جانتے تم شعر کے فن کو“
ہو چھو نہ گئی غیر زباں اس کے دہن کو
اردو سے بھلا واسطہ بہ حضرت وطن کو
پنجاب کو اس سے۔ نہ پورب نہ دکن کو

بمبلی سی کو معلوم ہیں انداز چمن کے
حالی کی زبانیں ترش لبیں ہو
ہر چند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ
مانا کہ ہے بیساختہ بن اسکے بیان میں
یہ دوست نے حالی کے سنی جبکہ نقلی
کچھ شرتھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا
سچ یہ ہے کہ جب شعروں سرکار کے ایسے
حالی کو تو بدنام کیا اس کے وطن نے

کیا عالم گلشن کی خبر زانغ و زغن کو
خالص نہ تو کیجئے کیا لے کے لبیں کو
پونچے گمانہ وہ نافہ آہوئے خفن کو
کیا پھونکے اس ساختہ بیساختہ بن کو
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
”کیوں صاحبو! عزت اسی اردو سے ہر فن کو؟“
کیوں آپ لگے اننے حالی کے سخن کو
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو؟

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم آب
سنگدل باپا سے گود سے لیکر ان کی
رسم اب بھی یہی دنیا میں ہو جا رہی لیکن
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈتے ہیں جیہ پیوند
ایسے گھر بیاہتے بیٹی کو جو ہو آسودہ
جانے پہچانے ہوں سمہ حیانہ کے سازن و
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھر لے آباد
جیتے جی مرگئی بس ان کی طرف سے گویا
چھان بین اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو
بدمزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بد چلنی

کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا و قتر
گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کر
جو کہ اندھے میں ہے کے نہیں کچھ انکو خبر
سب آدل انہیں ہوتا ہے یہ منظور نظر
اور نہ دھرتی جو ذات میں ہو افضل تر
ان کے معلوم ہوں عادات و خصائل کیسر
دونوں نزدیک قرابت میں ہو باہدیکر
جا کے پردیس میں بیٹی کو دیاسیہ اگر
پر نہیں دیکھتا یہ کہ کوئی کہ کیسا ہو بڑ
کچھ بُرائی نہیں۔ ڈھونڈتا ہو داماد اگر

وہ ہی ناشدنی ریت ہو جس کے کارن بکریاں بھڑوں سے پانی میں ہو نہ اکثر
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کو ہا کارڈیجاتی تھی بس خاک میں تنہا و خستہ
ساتھ بیٹی کے گراب پد رو مادر بھی زندہ درگورسدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجنام جاہلیت سے کہیں ہو وہ زمانہ بدتر

سید احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا
لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اجبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اس نے کئے سیکڑوں حقین
پر کی کہیں نصیب اس کے نہ یاوری
راہ طلب میں جب ہوئی گشتگی بہت
اک خضر پے غصہ نے کی اس کے رہبری
جھک کر کہا یہ کان میں اس کے کہ "آج کل
سُننا ہوں چھپ رہی ہو تصانیف احمدی
جا۔ اور لفظ لفظ کو اس کے چھپیڑ کر
تردید اس کی چھاپ دے جو ہو بری بھلی
پھر دیکھنا کہ اس وچپ و گروپیش سے

لگتی ہے کیسی آگ کے ذرہ سیم کی جھڑی

دنیا طلب کو چاہئے ابلہ منہریب ہو
دُنیا پہ جب تک کہ مُسلط ہے ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے ای خدا پرست
دل میں کہیں نشان نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گزرتے ہیں سو سے
ہوتی نہیں قبول تری ایک اگر دُعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست
جسکا یقین ہے تیری یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا بتوں سے مُرادیں ہے عمر بھر
گو حاجت اُس کی اُن سے ہوئی ہو نہ ہو
آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی تصور
امید اسکی روزِ فزون ہے اور البقا
تو بندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہو
وہ ہے کہ یہ ہے بندگی؟ اے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بیک دوڑ کر۔ گرہے گداگری کا یہ
جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل کتاب۔ ہو جئے سب مستفید
دک ملے۔ یا سز ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فائدہ

اٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ ”گر خور کیجئے
ہے حق میں سب کے دوست دشمن معین تر
اول تو سو جھٹا ہی نہیں عیبِ دوست کو
اور سو جھٹا ہے تو نہیں لاتا زبان پر

پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
 دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست
 اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بد سگال
 رکھتا ہے جو کہ دوست کی عیب اس سے مستتر
 گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہ
 دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں متفید
 اور جو کہ دوست نہیں بن سکتے اپنے عیب
 جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یاں
 افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر
 عیب انکے دوست کیوں نہ بتائینگے بے خطر
 وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
 موقوف عبرت انکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے موعظ ساز بھی دنیا میں عجب چیز
 موجود سخنگو ہوں جاں اں میں طیب کپ
 پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اس کو
 اور جائے ہیں بن آپ طیبوں میں سخنگو
 دونوں میں کوئی نہ تو آپ ہیں سب کچھ
 پر ہیج ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت کہا
 ہنسنے عادت کہا کیا عقل ہے مجھ کو
 گمیر لی عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے
 میں ہی بخاتی ہوں نادان فتنہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سننے میں یہ اک مدبر کی ہوئے
 چاہیے گردنِ علم زباں

شاعروں کو سلطنت کا کیجے رکن
جہ اسکی سب کانیں ہیں میان
راے صائب ہی بظاہر اور متین
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
شعرواں شا کو تو ہو شاید فروغ
ہے بہت کم برخلاف اسکے گمان
سلطنت کا پر خدا حافظ ہی۔ جب
شاعروں کے ہاتھ ہو اسکی عنان
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے
شعرواں شا کو بھی ہے خوف زیان
ایک پر امنی سے چل سکتا نہیں
دوسرے کا جادوئے حسن بیان
ایک جب چلنے نہ دیکھا ایک کی
پھر ترقی شعرواں شا کی کہاں؟

لوگ کسی کی خوبیاں سن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُسکے
عیب سُنکر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنون حالی
اس قدر خوبیوں کے اپنے نہیں شکر گزار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں
گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو برنج اُن کو کمال
گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پاسے قرار
اور جو ہو گوشِ رواں کے کوئی خوبی اپنی
خوش تو پڑتی ہے بنانی اُنھیں صورتِ ناچار
دل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُسکے
کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہار
بشہ احمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا

نفس میں اپنے ہر سامان بہت کچھ تیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی ایک فقیر کی کرتا تھا جیبال مدت تک اسکی جیب بھی دیکھی گئی روش بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار پہلے جو بھاگو ان سے ملتی تھی روز بھیک پر جبکہ جو سوال کا اس قوم پر مدار امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت آیا جواب سن کے یہ اس کا بہت پسند نہیو ہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ انگریز اگرچہ ہندو کے حق میں ہیں مہینل پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تسلیم یافتہ انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور اہل غرض یہ کاٹنے کو دوڑنے ہیں یہ

انگریز کے سوانہ کسی سے تھا مانگتا پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب کیا چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا اتنا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا ہمت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹسکا گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ کی آفرین اور اس سے مخاطب یوں کہا حق میں ترے مفید ہیں یہ ان سے بھی خواہل وطن پہ ان کی گر جان ہے وندا دل بھائیوں پہ بھی نہیں ان کا پیجتا جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا شائستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چٹھا

اسراف

ایک سرف نے یہ نمیک سی کہا کب تک اے نادان یہ جیتاں وزر تو جوئوں رکھتا ہو دولت جو جوڑ ہے سدا دنیا ہی میں رہنا اگر؟ ہنکے نمیک نے کہا اسی مافوق زر لٹا مارا انگان اور اس قدر؟ آج ہی گویا (نصیب دشمنان) آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

پاس نیکنامی

اے نیکنام شکر کر اللہ کا ادا جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیکنام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام
حاشا کہ تجھ کو خوف خدا کا ہو اس قدر جتنا کہ خوفِ طعنہ و تشنیعِ خاص عام

غزور نیکنامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نیکو نامی گمان بد کہی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُسکے عیبِ تم سے بیان کرے کوئی خود اُسکو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا ٹیکل امتحان

دو ملازم - ایک کالا اور گورا دوسرا دو سہرا پیدل - مگر پہلا سوار رہا ہوا
تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف نور و ناز کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھو دو غول سنگا
راہ میں دونوں کے باہم ہو گئی کچھ بہشتِ مست کو کھ میں کالے کی اک مٹکا دیا گورے نے مار
خندہ ہو چکا جس تالی کو بہت مسکین کی آگے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُسکو اتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار
آخر ش کوٹھی پہ پہونچ جا کے دونوں میں دیس ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
واکرنے آئے کالے دونوں کی سستی جب مر گشت نہ کو جا پہونچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار
دی سنا گورے کو کھ تھی جیسے تصدیق من اور یہ لکھا تھا کہ سائل ہو بہت زار و نزار
یعنی اک کالا نہ جس گورے کے گتے سے مر کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہ ر
اور کہا کالے سے تکمیل نہیں سکتی سند کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر حساب انداز

ایک کالپٹ کے جو گیسے فوراً مرنے لگے اس کی بیماری کا کید نکرا اعتبار،

خود ستائی

ایدل! بشر وہ کون ہے جو خود ستا نہیں؟
 جو زیورِ خرد سے معرا ہیں سادہ لوح
 پر خود ستائیوں کی ہیں عزوانِ جدا جدا
 کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی ہر بلا
 جہان سے تیز بوش ہیں سو طرح سے وہ
 کہتا ہو ایک سی حاققت ہوئی ہے آج
 کبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دیدیا
 سائل کی ڈب میں مینے دیا مال جب دکھا
 پردہ میں زیر کی کے چھپاتا ہے بخل یہ
 اور بن کے یوقوت جاتا ہے وہ سخا
 کچھ اس لئے کہ ہم بھی انہیں میں ہوں شمار
 کچھ اس لئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار
 کہتا ہو ایک لاکھ نہ مانے بُرا کوئی
 کہتا ہے ایک گرہے خوشامد کا اور ہی
 دھوکا ہنر کا دے کے چھپاتا ہو عیب یہ
 چپ چاپ سُن رہا ہو کوئی اپنی خوبیاں
 کہتا ہو اس پر کوئی کہ سب حسن ظن ہو یہ
 قانع ہے وہ انہیں پر ہوئے وصفِ عجیب
 کہتا ہو زید عمرو ہے شدت سے سادہ لوح
 کہتا ہو عمرو زید بھی کتاب ہے عیب میں
 یہ اس کا اور وہ اس کا بیان کے کوئی عیب
 غیبت امید ہو کہ نہ ہوتی جہان میں
 ہو تا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا

حالی جو پیرے کول ہے میں جہان کے شاید کہ اس سے آپ کا ہو گا یہ دعویٰ
یعنی کہ لاکھ پردوں میں چھپائے عیب اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جب کو دیکھئے جاہل ہو یا حکیم آزار میں خودی کے ہے بچارہ مبتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس دوں ہمارے بس میں ہے
گر کبھی حملہ پہ اس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جن کو نادانی سے حملے اسکے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اس میں نخل اتنا بد نما نہیں جتنا

اسراف

حالی سے کہا ہنسنے کہ ہوا اس کا سبب کیا جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے۔ پر نخل سے کتر ہو جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالی نے کہا روکے نہ پوچھو سبب اسکا یاروں کے لئے ہو یہ بیان موجب رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اُسوقت جب قوم میں فراط سہتی دولت و ثروت
دہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر پھر اُس میں نہیں نخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہی نہ ثروت ہی اقبال گھر گھر یہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب تو تم کو ایسی پردان کی ہر چوٹیوں کو جیسے ہر ایت

روسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت
برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے "آج اُس کا نہیں ہمان نوازی میں نظیر
عالمان شہر مدعو اُس کے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیئے
پھر کوئی دیکھے سخاوت اُس کی اور بذل عطا
یا دگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی نہیں
انہیں صرف اسکی رقم ہے سب کے چن۔ یو سی سوا
پالکی یا وگنیٹ ہے جو سواری اُس کے پاس
اہلکاروں کے لئے ہر وقت بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کسٹریا کیا سپاہی کیا عس
اُس کی ہمت کے ہیں سب مداح بے رُو دریا
جب یہ دیکھا مدح کا وقت نہیں ہوتا تمام
جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالی نے بصورت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر نہ کرو یا رو بیاں
سنتے سنتے خوبیاں جی اپنا مسئلہ لگا

ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو کی تعریف کہا "فقیر اقرار باللسان ہے ضرور کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندون کی تیل" تو دی چراغ سے اسکو آہ و تاب مثال جہاں ہوا نقش تصدیق و روغن اعمال" نہیں ضرور فقیر کا جس میں استعمال"

برکتِ اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہے جنیں ملاپ نہ انہیں حاجت اعوان۔ نہ تلاش المضار پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یک جہتی نہ ملاؤ ان کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فضیل ایک ملانے سنا جب یہ سخن سن لیا اتفاق اور اتفاق اصل میں کچھ چیز نہیں واں نہ ملت کی ضرورت ہی۔ نہ کچھ پھو کا ڈر کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دی ساتھ اگر پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم

دولت و بخت ہی ہر حال میں اُنکے ہمراہ نہ انہیں خوفِ باندیش نہ بیمِ بدخواہ اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ نہ مفید ان کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ

تنگیہ اور اس قدر۔ اسباب پہ کرنا ہے گناہ دستِ قدرت ہی سب ہاتھ سفید و سیاہ پڑ گئی فضل کی مولا کے جاہر ایک نگاہ

کر دیں افراد پر انگزدہ۔ جماعت کو تباہ اسکو جب دیکھا ہے۔ دیکھا ہی جھٹوں کے ہمراہ

بعدِ صوری مانعِ قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اک گھر

سلہ یعنی کر سین آئل جو بائیرتی کے بھی جل سکتا ہے۔ گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان یا کی تعریف میں داخل نہیں ہے -۱۲-

جا اپنے محلہ سے کہیں دور بنایا
 جب اہل محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
 دل دردِ جدائی سے عزیزوں کا بھرا یا
 ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب افسوس
 اک دوست شکایت سے سخن لب پہ پہ لایا
 ”بتی۔ کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر
 اتنی بھی محبت تھیں گھر سے نہیں آیا؟“
 حالی نے کہا اُس ہے چیز اور۔ وفا اور

بتی نے مزا پہل کا وفا کے نہیں پایا
 اُس مہر و وفا کی نہیں بتی پہ بڑی چھینٹ
 کتنے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا
 ہم غش ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہے مکاں کی
 گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھولایا
 گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر۔ گھر ہے برابر
 مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی
 کہتے رہیں اگر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
 ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور
 لائیں گے وہ نہ حرفِ نصیحت زبان پر
 صحبت میں بیٹھنے سے کہ نیگے تری حذر
 اور جن سے ہو امید نصیحت وہ بالیقین

خادمِ آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں؟

کہتے ہیں خدامِ ماموں کے بہت گستاخ تھے ایک دن خادم کی گستاخی پر ماموں نے کہا
 ”کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت پیش خدمت اس کے باخلاق ہوتے ہیں سدا“
 پر جو بیچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم ہر دلیل اس کی کہ ہر خود خلق آقا کا برا
 کھو دیا ایندیت کو اپنی جس نے اور تمکین کو اُس نے گویا ڈھایا یا رکن رکین باخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

مستوکل کا تیر چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
 ابنِ حمدوں ندیم تھا حاضر کی خلیفہ کی بیج اور یہ کہا
 ”جن کو خلق خدا پہ شفقت ہو خوں بہانا نہیں دہہ رکھتے سدا
 جانہ سکتی تھی بیج کی تیرے ہ تو نے دی قصدا اس کی جان بچا“
 ابنِ حمدوں نے کی یہ انائی کہ خوشامد سے یوں سے تھکا
 دور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے ہو کے اپنی خطا سے کھیا نا
 جائے کنجشک ابنِ حمدوں پر تیر کا اپنے استحاں کرتا
 ابنِ حمدوں کی جان گوجانی دل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا

رعیت پر نا اہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جیسا کہ ”فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
 وہ خطہ ملعون تھا ہی جس کی بدولت تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سمایا
 میں بھی اُسے اُس باغی طاعنی کے علی الرغم اک بندہ بقیہ رکو بخشوں کا خدایا“

کہتے ہیں خسیب ایک غلام حبشی تھا
 کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے
 جبر پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
 نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسا یا
 یہ حادثہ آ۔ اُس کو کسانوں نے سنایا
 ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا
 ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی
 فرعون کی مانند اگر وہ بھی سمجھتا
 جو کموں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی
 اک سفلہ ناکس کی بنا اُس کو رہنمایا

رشک

ظاہر مردوں کی طبیعت میں نہیں رشک اس قدر
 ہے طبیعت میں وہ جتنا عورتوں کی جاگزین
 ایک شہزادی کہ اکھوتی تھی جواں باپ کی
 تخت شاہی پر پہنچی بعد از پدر سندنشین
 سلطنت میں اسکی۔ تمام مردوں کو کھلی اختیار
 عورتیں اصلاً و خیل اس کی حکومت میں تھیں
 مرد ہی تھے اُسکے محرم۔ مرد ہی اس کے مشیر
 تھانہ عورت کا پست دربار میں اُسکے کہیں
 تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم
 ہنس کے فرمایا کہ "اے دولت کے ارکان کہیں
 مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس ہیں
 بلکہ ہے انہیں اسلئے تم سے کہ تم عورت نہیں"

بات کی۔ حسن بیان سے اس نے دی صورت بدل
 تاکہ کوئی سورنٹن اسپر نہ کر بیٹھے کمین
 ورنہ یوں کہتی کہ ”ہے عورت کی سیرت سے مجھ
 اس لئے نفرت کہ ہر مردوں کی صورت دلنشین“

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انسان پر ہر فرض
 پر جو بیچ پوچھ۔ نہیں قانون میں
 ماننا قانون کا بعد از خدا
 جان کچھ کڑی کے جالے سے سوا
 اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں
 اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
 پر اسے دیتے ہیں توڑاک آں میں
 جو سکتا رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
 حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
 اور نظر میں زور مندوں کی ہے لا

شادی قبل از وقت بلوغ

جب تک نہ شانہ زادہ اٹھارہ سال کا ہو
 قانون ہے بنایا یہ اُن مقننوں نے
 تخت پدر پہ اس کو ممنوع ہو بٹھانا
 عالم میں ابھل جوانے ہوئے ہیں دانا
 لیکن کریں نہ اس کی قبل از بلوغ شادی
 کہتے ہیں وہ عبث ہو قانون یہ بنانا
 نزدیک اُن کے گویا برزخ عقل و دانش
 ہے گناہ گم سے آساں میڈم کو بس میں لانا

حرص

اتناکے دغظ میں ہے تکیہ کلام و اخط
 ”قدرِ قلیل ہے سب مال و منال دُنیا“
 گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے
 ہے جقد و فراہم پاس اُسکے مال دُنیا

اُمرا اور عقلاء

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خرمند وہ جانتے ہیں جو کہ ہر جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خردار نہیں ہیں ملتے عقلا سے نہیں جو صاحب ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبّا بیمار کو کچھ اس سے سوا اُن کی ہر حاجت

عصمت بی بی ازبے چادری

اسے بیواؤں پہنتے ہو کیا نعموں پہ تم اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زو سے نفس کی ہوجھی تک بچے ہوئے ہو جب تک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش گر تم کو ہوا نصیب تو دنیا کو دوا جاڑ

بیچ کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
بیچ کو خریدوں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
بیچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہوا انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر پھوپنا

ٹھوٹ کارِ یگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا
افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقتِ باز پرس

اپنے ماتحتوں کے سرِ تہ میں ٹھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آپ کے جو لوگ
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک
تہمنا ہی ہر دم اسے اربابِ دولت
وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
نہیں اُنہیں سے تم میں ایک خصلت

تدبیرِ قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح
اور عقل خلاف اسکے تھی یہ مشورہ دیتی
پر۔ رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن
وہاں پانچوں جانے کے لئے تفرقہ ڈالو
یہ حرفِ سُبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ مالو
جو بات سُبک ہو اُسے منہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانائے سبب کیا ہے کہ اکثر
لیکن مخالفت اسکے ہو عورت کا جہاں راج
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار
اور سر پر ہے عورت کے جہاں اندر شاہی
مردوں کی حکومت میں ہو ملکوں کی برکت
وہاں ملک ہو سرسبز اور آباد و رعیت
قبضہ میں ہو وہاں عورتوں کے دولت و مکنیت
سمجھو کہ ہر اس ملک میں مردوں کی حکومت

مغزور کی پہچان

غورِ زید کی کرتا ہو گمشدہ کجایتِ عمر و
تو سمجھو کہ تاج ہے اپنے غرور کا اظہار

جنہوں نے آپ کو سب سمجھ لیا ہے بڑا بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے اس نے کی تاخیر اس نے جلد اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھا کوئی نہیں بلکہ میں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا؟

گدا ئے مہم

ایک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہیں

آن نکلا بانو اک مانگتا کھاتا ادھر
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہیں

جی میں آیا چھپر کر مسائل برہمن کو کرے
تاکہ پوجے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرگیں

مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا
بانو ابولا کہ ہے ”تو بھی عجب کوتاہ ہیں“

مورتی کچھ بھگو دے گی اور نہ دے سکتی ہو وہ
ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نے کیں“

ہنس کے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام
دے نہ دے وہ۔ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنی نہیں

ہم نہیں دیتے ڈھسی تم جیسے ڈھنوں کی طرح
ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پانوں پھیلاتے نہیں“

بے اعتدالی

تم اے خود پرست تو طبیعت کے بندو
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت
جو تجربے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک
اگر پل پڑے چوسہ اور گنجنہ پر
پڑا مرغ بازی کا لپکا تو جانا
چڑھا بھوت عشق و جانی کا سر پر
جو ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنی
جو کھانا تو بھید جو پینا تو آتش گشت

طیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے؟

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طیب لول
وہ جانتے ہیں کہ قہقہہ جانیگی خطا ہم پر
کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
جو چل بسے کوئی اُن کے علاج میں بیمار
کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

۱۵ یعنی پیٹ بھر کے احمق - احمق کا انتظا اکثر اس مقام پر خدشہ کرتی ہے گویا مخاطب کے سوا
کسی پر اس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲

اپنی ایک ایک غیبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہوشی
پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر
کرتا ہے بار بار بیان اسکو بر ملا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے
ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اک جدا
پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد
یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پہ انساں کو چاہیے
آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گمراہی ظریف
جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش
سنی ہو اس میں کہ نمشک غریب کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند
کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گذر اسکا
درم اک اس نے بھی چاہا کہ کیجے نذر فقیر
کہا فقیر نے دو گو اپنی یہ نہیں عادت
کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعر
پہ لوں گا آپ میں پانچ کم سے کم دینار
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال ناپید
یہی آلتے تلتے رہے تو آپ کو بھی
ہماری طرح سے ہونا ہے ایک و ز فقیر
سو وقت ہی رہی لینے کا خود بد دولت سے
دکھائے دیکھے پھر اسکے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث سے

جو چلا آتا ہے باہم اہل مذاہب میں خلاف

ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت
رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف؟

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب زیادہ مودا فات ہے

دل پر جو کیفیتیں ہیں ناگوار	دو ہیں انہیں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اس آنے والے وقت کی	شک نہیں ہے جکے آنے میں فرا
دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی	زخم جن کا زخم ہم تلوار کا
اور بھی حیوانِ ناطق کے لئے	ہیں بہت سی زحمیتیں انکے سوا
پرگدھے اور اور حیوانات سب	رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سوا
کیسا ان آلام سے رہتا بخت	اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا؟

چند بازی کا انجام

ایک متوالے سے چند وکے وہ تھا ہوش میں جب
پوچھا نا صبح نے کہ اس کام کا آخر انجام؟
بولا "انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم
زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرانے کی ٹھہرنا بیت در
شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عجبی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی بیج
جس سے دنیا میں ہونا نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم یہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا

نفس سرکش کے گمراہی میں ہے اپنی زمام
 کہا ناصح نے کہ "انجام ہو معلوم اگر
 لے نہ اس زہرِ ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
 یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے۔ لیکن
 یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام؟
 بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن
 بُرے انجام سے جب آکے پڑے گا خود کام
 مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذت معلوم
 گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب بچتہ و خام"

قوم کی پاسداری

ایک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھانوں نکتہ چین
 "پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
 چاہتے ہیں۔ نفع پہونچے اپنے اہل ملک کو
 گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
 کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں
 اُس کا ہو بیچارہ ہندسی نیچنے والا اگر
 خوردنی چیزیں جو یاں سے یعنی پڑتی ہیں انھیں
 اُن کو لسن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر
 الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
 جانتے ہیں دین و ایماں اپنا۔ قصہ مختصر"

سُن کے حالی نے کہا - ”ہے حصارِ نگرِ یزدوں پہ کیا
 ایک سے ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
 ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
 یہ وہ نِصَلت ہے کہ مجبُول اس پہ ہے طبعِ بشر
 کھیاں جیتی بگل جاتے ہیں پاسِ قوم میں
 اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
 ہاں - بری اس عیب کے لیے دیکھ اس دُنیا میں ہر
 چشمِ بد دور اُٹھتِ مرحوم اے حبانِ پدر
 اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز
 حلقہ جب کرتے ہیں یہ - کرتے ہیں اپنی فوج پر
 ہو گا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں
 جس قدر ہے - ان سے اپنوں اور یگانوں کو خطر“

قطعہٴ پنجاب نوابِ سرِ آسمان جاہِ بہادر مدارِ المہام سرکارِ عالی

مرتبہ ۱۳۰۵ ہجری

آسمانِ جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی پہنچ
 شکرِ ممکن نہیں اس کا کہ مجھ کو گہرِ نیچے
 اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرمان
 نہ کیا میں نے کبھی طوفِ درِ صدرِ زمان
 اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہر قیمت میں گران
 جسکے جلد میں نہ اس لطف کا ہوتا شایان
 حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا

ہاں مکروہات میں ہی فیض رسالی جن کی
 ہیں مرقی ہنر و بے ہنری کے جس طرح
 آسمان چاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گزار
 یاں وہ اُن کھیتوں کو دیکھے گیا ہو پانی
 قوم اس وقت ہی تعلیم کی جتنی محتاج
 عزت۔ آسودگی اور ملت مذہب اُن کا
 پھر نہ قدر اُن کی کچھ آنکھوں میں خلائق کی ملند
 آسمان چاہ پر برکت ہو خدا کی جس نے
 مدرک قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز
 اُن کی امداد سے نواب نے کی ہو قائم
 کرتے ہیں زندہ جاوید بنی نوع کو۔ جو
 ہے مدارس کی اعانت وہ لکھوئی جس کا
 ہی بخشش ہو یہی جو ہو راس العنات
 یہی امداد ہو جس سے ہوئیں قومیں سرسبز
 یہی قوت ہو کہ مٹتے ہیں قوی جسے ضعیف
 دی لگا ایک نے پانی کی سر راہ سبیل
 اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پائے سیراب
 برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
 بخت اس ملک جس ملک میں ایسا ہو وزیر
 اب خدا سے یہ عاہے کہ جہانیں جن تک
 آسمان چاہ سے ہو تقویت ملک و کن

ڈھونڈھ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احسان
 غار و گل دونوں کو کرتا ہو نہال آب روان
 ملک میں سکنا خواں ہو ہر اک پیر خواں
 آنکھ اسلام کی خود جنگی طرف ہے نگران
 ہے وہ عالم پہ ہویدا۔ نہیں محتاج بیان
 ہو نہ تعلیم۔ تو ہیں سب کوئی دن کے مہمان
 اور نہ وزن انکا ترازیوں حکومت کی گران
 درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درمان
 جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشان
 چشم عالم میں سیجائی پہ اپنی برہان
 بدل کرتے ہیں پے تربیت اہل زمان
 ملک پر۔ قوم پہ تا دیر رہے گا احسان
 جس پہ موقوف ہو یہودی نسل انسان
 یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے ملک آبادان
 یہی حکمت ہو کہ ہوتے ہیں سبک جسے گران
 کی ہمیشہ کے لئے ایکس داں نہروان
 اُس نے چاہا کہ رہی سپاس کا باقی نہ نشان
 نہر جاری ہو ہے ذات انکی سوا فیض رسان
 حامی علم و خیر پدار کمال انسان
 شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احسان
 اور ہو ملک کن لجا و مادائے جہاں

دولت قیصری و دولت آصفیاء ہی ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیان

— (۱۰) —

تمنیت ولادتِ فرزندِ ارجمند در شہستانِ اقبالِ جناب

نمر آسمانِ جاہ بہادر المہام سرکاری

مرتبہ ۱۳۸۵ھ

فیض ربّ ذو المن سے مژدہ ای اہل دکن
دی بشیر دولت دین کو وہ چیز اللہ نے
جسکو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
جسکے لئے سو ہوا دود و ممنون نقصا
جسکے بدل میں علی الرغم شہادت پیشگان
جو بضاعت ہو گدا کی اور دولت شاہ کی
جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عارت نیاز
صدرِ اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف
یہ پسریا رب بحق عترتِ خیر الورے
صدرِ اعظم کی طرح دربارِ آصفیاء میں
دولتِ ثروت کو اسکی ذات لگ جاؤ شان
سیرت و عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی

نائب دولت کا نخل آرزو لایا شہ
جس سے پایا دیدہ یعقوب نے ذرِ بصر
حق نے دی جسکے عطا ہونے کی شہرا کو خیر
جسکے پانے سے ہوا ایوب مرہونِ قدر
حق سے ختم الانبیاء نے پاک شہیر و شہر
جو ہے حاملِ عمر کا اور زندگانی کا مثر
جس سے ہیں اجدادِ زندہ اور اماجد نامور
خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر
پائے عمرِ خضر زیر سایہ ہمسر پدر
جایگاہِ قربِ سلطانی ہو اس کا مستقر
ذیور علم و ادب سے ہو مجلسِ اس قدر
جو ہر اخلاقِ فاضلہ ہوں اس میں جلوہ گر

۱۵ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد

لکھنؤ صفت جاہ میں سر آسمان جاہ اور وہ رات دن رکھیں اُجالا صورت شمس و قمر

قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ ہجری بمقام حیدر آباد

۱۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل
ڈاکٹر سید احمد خاں بہادر کے ہمراہ علیگڑھ ٹیڈن کالج کی طرف سے بہ طور
ڈیپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں جنھوں نے سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے اس
موقع پر ایک عام جلسہ بصد ارت و اب وقار الامراہاد و شبلیہ میں منعقد ہوا تھا۔
جس میں اقسام نے اور مولانا محمد شبلی اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار
عالی کے شکر یہ میں پڑھیں تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو اور مولانا
محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سننے کے لئے دولت خانہ پر طلب فرمایا
تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزوں کیا گیا تھا راقم
نے پڑھا تھا۔

(حالی)

یاں بلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے
خدمت والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دھر
شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا صرور
گر چہ کی ہے کوشش ان ظلموں کے کھنہ بہت
رہ گیا پر جسے اس کوشش میں باقی اک قصور
اول اسکا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد از میں
عرض کرنے کی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
جو لیاقت اس میں ہو درکار وہ ہم ہیں نہیں
چند نظمیں انجمن میں اس لئے کہنے پڑیں
اور جگہ انگشت نہ کہنے کی نہیں چھوڑی کہیں
درگزر فرمائیں گے سرکار اس سو ہے یقین

اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں ان میں۔ مگر
جھوٹ جو اشعار کا زیور ہے وہ انہیں نہیں

قطمہ در شکر اضافہ وظیفہ پیش گاہ جناب سر آسمان چاہ بہار

مرتبہ ۳۰۹ بمقام حیدر آباد

اے بشیر دولت دین نائب شاہ دکن اے تہات دکن کا ذات پر تیری مدار
مجھ پر فرمایا ہو جو لطف کرم سرکار نے شکر اس کا کر نہیں سکتا ادا میں زمیندار
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ و مقصود سے پہلے ہو لیتے ہیں صد ہا مشکوک وہ دو چار
کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر۔ ملاحظہ و حجب حالی کو اس در سے بلا بے تردد بے تامل بے طلب ہے انتظار
قدردانی گز زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام پائیں بے مانگے مرادیں اپنی سب امیدوار
یارب اس سرکار کو۔ ہر جس عالم فیضیاب جب ملک نیا رہے دنیا میں رکھو یہ قرار

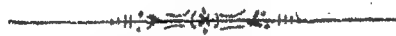
----- (۳۰۹) -----

صدائے گدایان قوم

پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت صحابہ نے اپنی جاہت کا نام
گدایان قوم رکھا ہے ریاست بھاو پور میں چندہ وصول کر کے لئے جانے کا ارادہ
کیا تھا۔ ان کا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشارہ پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً ان کا
جانا نہیں ہوا۔ (حالی)

وٹھو ٹھہرنے خضر مبارک پئے کویاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بٹھکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم
ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ شکر نہوں پرمردہ دل
سخت عبرت خیر لیکر داستان آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چین
 لیکے اُس کا فردہ فضلِ خزاں آئے ہیں ہم
 علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے
 آج اُس در پر اُسی کے نورِ خواں آئے ہیں ہم
 قوم کو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار
 جتھوں اسکی شعلے کے یاں آئے ہیں ہم
 تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا
 اسلئے ڈالے گئے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
 خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا
 دلتیں یہ کر کے سب خاطر نشان آئے ہیں ہم
 فخر سب بیجا ہیں اُن کے قوم ہے جکی ذلیل
 فخر و عزت کے مٹا کر سب نشان آئے ہیں ہم
 ہے بنی ہاشم کی مہاں پروردی ضرب المثل
 اس لئے یاں بن بلائے میہاں آئے ہیں ہم
 تشنگی اپنی بجھانی ہوگی اے آبِ حیات
 لے کے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم



لے چو کہ رئیس بھاول پور بنی عباس میں سے ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی
 ہوئی تھی اس لئے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا۔ ۱۲۰

مژدہ قدم حضور شاہزادہ ویلز در ہندوستان

مژدہ ہوا اہل شرق اب دن پھرے تھا اے مغربے سوئے مشرق آیا ہے ہر تابان
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان
ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستان
تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے۔ لیکن ہندی بھی ان دنوں ہیں قسمت پہ اپنی نازان
ہماں ہو آج ان کا اُس شاہ کا دلی عہد روئے زمیں کے سلطان جیسے تھے ہیں ہماں

آخری سہارا

یہ اشعار ایک انگریزی نظم کا ترجمہ ہیں

وہ دل رہا امیدیں جن پر کہ تو ہو شیدا جب دُور تیرے دل سے ہو جائیگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں جائیگا ٹوٹ جس دم اُس کا طلسم سارا
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہو تو نے اُسکو تھا جو کہ بھگوا اپنا آرام دل سمجھتا
چل دینگے جیسے سارے اُن بلبلوں کی مانند بعد از بہار جو رخِ کتیں نہیں چمن کا
جب ہو چکے گا اُدھم یہ عیش کا زمانہ کون آکے دیکھا جہنم کو اُسکے سوا سہارا
بے مہروں سے تو نے جسکو کیا ہے عملین تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا

جس طرح وہ پرندہ جو فصلِ گل میں جا کر

پھر موسمِ خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا



ترغیب ادا و ایمان

(منقول از رسالہ "علیگڑھ منتقلی")

یہ قطعہ مولانا نے "انجمن مؤید الاسلام" دہلی کے ایک جلسہ میں پڑھا تھا۔

(اسماعیل)

"اے غافل! اے بے خبر! ہوش میں آؤ
دینا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنسناؤ
یہ دین ہو یا دین کا ہے سانگہ - بتاؤ؟
جہتکاس غم امت میں نہ جان اپنی گھلاؤ
ہو دین کا دعویٰ - تو شہادت کوئی لاؤ
تو دین سے تم قطع تعلق کرو - جساؤ
دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھ دے کے دکھاؤ
کل پھل کوئی کھانا ہو تو زخم آج اٹھاؤ
یہ پوند ہے میری اسے دیکھو نہ گناؤ
سیوا کرو ان کی - انہیں پروان پڑھاؤ
ان گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں انہیں پاؤ
ان کو کلوں کو میرے جلا دے کے بناؤ؟
ان کی برہی حالت پہ ہر ہی گت پہ نہ جاؤ
گن دیکھتے ہیں انکے تو رنگ ان کا چٹاؤ
رند جانیں نہ یہ - خاک کی جلد - انکو اٹھاؤ
ان بچھیوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا مذاہبی
فارغ غم امت سے اور اسلام کا دعویٰ
گو دین کی صحت ہو - یہ سیرت نہیں اسکی
مقبول نرج ہیں نہ نمازیں ہیں نہ روئے
دعویٰ نہیں مسوع شہادت نہ ہو جب تک
گر اپنے یتیموں کی خبرے نہیں سکتے
اعضا تو نمازوں میں بت تم نے دکھائے
دنیا میں جراحت - یہی حقیقی میں ہے راحت
یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بکیں
شیریں ہو پھل ان پودوں کا اور سایہ ہو گن کا
دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے
سنو لائے ہوئے چروخیں نور انکے ہر تاباں
ہیں ان میں فقیہہ - انہیں حکیم - ان میں محدث
جو ان میں ہیں جو ہر کہیں رنگ ان کو نہ کھاجا
افواج مخالف میں تک دوز میں جپ رہا
پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں انکے شکاری

اسے یاد دہیہ پہ پیری اور دین ۲۵ ہوتا
 اُمت کے تینوں کو ہوا بخیل کی تسلیم
 تیلک کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلشیں
 گر جائیں حر لیت انکو سکھائیں میری توہین
 جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیئے رکھنا
 کھانے کی بھی کپڑے کی بھی لیں انکی خبر
 اپنا تمہیں وہ جان کے گمراہ میں ٹھکیں
 اسلامو ابے ہر بیاں آخر یہ کہاں تک
 بے کس نہ گنوان کو۔ یہ کہنا ہے خدا کا
 عبرت کی جگہ جو۔ ڈرو گردش سے فلک کی
 بن باب کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر
 اُمت میں ہو تم اسکی جو اُمت پہ فدا تھا
 وہ جیسا غریبوں کا۔ یتیموں کا تھا عاشق
 جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اس کا
 کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ اک کی
 ٹوٹے ہوئے دل میں یہ گذر گاہ خدا کی
 اور اپنی تم اولاد کو تشران پرٹھاؤ
 اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
 اور کان نہ توہین پہ تم میسری ہلاؤ
 ہاتھ آئیں تمہارے تو عسلام انکو بناؤ
 اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ ان سے ملاؤ
 تم غیروں کی مانند گزر پاس سے جساؤ
 جو منہ کو تمہارے ٹکیں آنکھ ان سے چراؤ
 تم پھیر کے منہ ان سے۔ خدا کو نہ رٹھاؤ
 اولاد کو اپنی نظر بد سے بچاؤ
 غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ
 تو تم بھی غریبو! اسی اُمت سے لگاؤ
 تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ
 اخلاق میں کچھ اس کی جھلک تم بھی دکھاؤ
 جی تم بھی مصیبت پہ یونہیں سب کی کڑھاؤ
 ملنا ہو خدا سے تو اسی راہ سے جساؤ

مدت سے یہ تھا دے رہا اسلام دھانی
 بارے سنی اجاب نے اسلام کی آواز
 جو شہ غفلت میں ہیں چور ان کو جھنجھوڑو
 جھوٹے ہو جو روزے نمازوں پہ ہیں اپنے
 اور کہتی تھی غفلت ”نہ اوہر کان لگاؤ“
 اور مل کے کیا عہد کہہ کچھ کر کے دکھاؤ
 اور نیند کے مٹوالے ہیں جو۔ ان کو جگھاؤ
 اسلام کی فریاد انہیں چل کے سناؤ

بن باپ کے بچوں کے پس ٹٹے ہو چل
امداد پہ اُن کی۔ کرو کئی قوم کو محسور
قائم کرو ایک انجمن اخوان حفا کی
اور پیڑائیموں کی حمایت کا اٹھاؤ

صد شکر۔ ہو میں کو ششیں اجاب کی مشکو
فیاضیاں جو قوم کے غمخواروں نے کی ہیں
باقی ہیں ابھی قوم میں کچھ قوم کے غمخوار
اس وقت کہ نازک ہو بہت قوم یہ وقت
ہو چار طرف قوم میں اب نفسی ہی نفسی
رحمت ہو خدا کی۔ یہ عزیزوں کی جماعت
ٹے قوم سہارا تو یہ ہے "نوح کی کشتی"
سرچشمہ سے ہوتی نہیں پانی کی جیب مد
جوتی ہے یہ۔ یاروں نے بھروسہ پہ تھا کہ
ہیں قوم کی عقل نے بہت کھیل بگاڑے
یاروں کو ابھی کام بہت کرنے ہیں باقی
مجلس کہیں جی چھڑ نہ ٹے۔ ہو کے ہر اس
دوچار کے۔ دس پانچ کے بس کا نہیں یہ کام

پہل دیکھنے نیت کو ہوں گر اُن کی تو آؤ
دیکھو انہیں۔ اور بھائیوں کو جا کے سناؤ
اس شکر میں تم محمد خاندان کی گناؤ
جو قوم کا غمخوار ہو خیر اس کی سناؤ
لو اس کے قدم۔ خود غرضی جس میں نہ پاؤ
پر۔ اس کی خوشی میں ابھی بنائیں نہ سجاؤ
پر قوم نہ کھیوے تو یہ کاغذ کی ہے ناؤ
دم بھر میں اتر جاتا ہے دریا کا چڑھاؤ
کیونکر چلے؟ جب تم ہی یہ گاڑی نہ چلاؤ
تم اس کے جہاں چاہو نشان دیکھ لو جاؤ
دوان کو مدد کام میں اور ہاتھ بٹاؤ
اس ناؤ کو جس طرح بنے پار لنگھاؤ
سرچوڑ کے اس کام میں سب زور لگاؤ

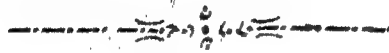
گو کام ہے دشوار۔ پہ مردوں کو ہر آساں
کرنا ہے اگر اس کام کو پورا۔ کے سجاؤ

شہر حیدر آباد

پانی دیتا ہے کوئی۔ پود لگاتا ہے کوئی
 آگے کرتا ہے چن میں۔ کوئی آئین بندی
 تاکہ ہو سیر چن سے نہ کبھی سیر نظر
 تاکہ تحقیق سے ہوان کی۔ فزوں علم بشر
 الغرض باغ میں ہیں وارد و صادر جتنے
 صحن گلشن میں کسی کام کو آئے کوئی
 ایک سے ایک کی ہیں مختلف اغراض۔ مگر
 جائے گا بوسے ریاچین سے معطر ہو کر

حیدر آباد بھی اک باغ ہے ماشار اللہ

ہے جہاں فیض کا دروازہ کشا وہ سب پر



تمنیتِ سندھینی حضور نظام

(منقول از روزانہ زمیندار جلد ۲ نمبر ۳۵ مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء)

۱۹۱۱ء میں جب اعلیٰ حضرت نظام الملک احمدیہ ہفتم میر عثمان علیخان بہادر خلد شہ
بلکہ تخت نشین ہوئے تو روزنامہ "زمیندار" لاہور نے اس موقع پر اپنا ایک خاص نمبر
شائع کیا تھا اور اس کے لئے مولانا سے بھی ایک نظم حضور نظام کی سندھ نشینی
کے متعلق لکھنے کی فرمائش کی تھی جو اب مولانا نے یہ قطعہ لکھ بھیجا تھا (اسماعیل)

فلک مرتبت میر عثمان علیخان	مبارک تمہیں سندھ شہر یاری
مبارک اب وجہ کی تم کو خلافت	مبارک و کن کی تمہیں تاجداری
مبارک تمہیں ملک کی نگلہ بانی	مبارک رعیت کی خدمت گزاری
مبارک ہو تم کو وہ دشوار منزل	جہاں چپہ چپہ پہ ہے ذمہ داری
مبارک وہ منصب کہ جنگو ملا وہ	ہوا چین رخصت فراغت سدھاری
مبارک بزرگوں کی میراث تم کو	جنھوں نے کہ جھیلیں ہیں کڑیاں ساری
ارادوں جرات سحر ہمت سے جنگی	زمانے نے ہو بارہا شرط باری
مہم سے ہو جن کی تاریخ رنگیں	زبانوں پہ ہو ذکر خیر ان کا جاری
ادا کر گئے وہ تو اپنے فرایض	ہے اب آپ کے عہد دولت کی باری
اب ان کی جگہ آپ کو ہے اٹھانا	خدا کی امانت کا یہ بوجھ باری
جو بے بس ہیں دینا ہے انکو سہارا	جو بے یار ہیں ان کی کرنی ہے یاری
نکلتے ہیں جو ان کو کامی بنانا	بڑھانا دل انکا جو ہیں کار باری
جگانا انھیں نیند کے جو ہیں ماتے	پڑھانا انہیں علم سے جو ہیں عاری
جو زور دہیں ان کی ہے پاسبانی	جو نادار ہیں ان کی حاجت باری

جو سرزد ہیں ان کی ہے گوشمالی
 بڑوں نے تھا عہد وفا جن سے باز رہا
 سمجھنا ہر اک قوم و ملت کو یکساں
 مبارک یہ بارگراں تم کو شاہا
 بہت مشکلوں کا ہے گوسا منا یہاں
 مگر مشکلیں ہیں یہ سب ان کو آسان
 پہلے جو ہیں آغوش میں سلطنت کی
 یہ امید ہے آصف ہفت تہیں سے
 رہے گا اسی طرح جیسے رہا ہے
 وہاں گئے دیر نہ ناچیز حالی
 دُعا کے سوا کچھ نہیں پاس اُسکے
 آئی طینل اس کا پھیلائی جس نے
 منادی نے تعلیم نے جس کی آکر
 طینل اس کا فرما زو اد کن کی
 جو مظلوم ہیں ان کی ہے عکساری
 سدا کرنی اس عہد کی پاسداری
 کہ خصلت ہے یہ زیور شہر یاری
 اٹھانے سے ہیں چکے افلاک عاری
 کہ بہنوں یہاں اس کے بہت ہو باری
 پڑی جنگی گھٹی میں ہے ملک داری
 سیاست جو جن کی رگ پے میں ساری
 ریاست کی حل مشکلیں ہو گئی ساری
 و کن پر بند اس یہ فضل باری
 کہ مدحت گری کے نہر سے ہو عاری
 ادا جس سے ہو فرض مدحت نگاری
 خلائی میں توحید و پرہیز گاری
 زمانے کی بگڑی ہوئی گن سلواری
 حکومت کو شے غیب سے استواری

رہے رہتی دنیا ملک وہ سلامت

ہر اقبال و فیروزی و کامکاری

حاضرین کانفرنس سے خطاب

اسے خاص مکان ملت واسے یاوران قوم
 بندھتی ہو بہتری کی تھیں دیکھ کر اُمید
 تم آکے مردہ قوم میں دیتے ہو جان ڈال
 قومی خوشی کے ہیں یہی گویا کہ چار دن
 جس جس میں کہ آتے ہو یاں دور دور سے
 پھر جائیں دن یقین ہے بہت جلد قوم کے
 دعوے یہ خُبت قوم کے سب بے دلیل ہیں
 میلانہ سمجھو۔ قومی جلسہ ہے دوستو!
 سید کو دوسرا کہ غفلت سے قوم کی
 سرانپے دھریا ہے اُسے ایک فرد نے
 انصاف سے لید ہے ساتھ اُسکا چھوڑنا
 خواہش ہے جسکی یہ کہ ہو دنیا میں تم عزیز
 عزت تمہاری دیکھ کے بڑھتا ہو جسکا خون
 خدمت میں قوم کی جسے کا زلف مل
 پرہیز سے اُس کے قوم کا سودا نہ کم ہوا
 بڑھتا گیا دم اُسکا۔ ہوئی جس قدر لٹاڑ
 ہے ایک چراغ آخر شب ٹٹسار ہا
 ایسا نمونہ جیکہ ہو آنکھوں کے سامنے
 کرنا ہے کچھ تو کر لو کہ باقی ہے وقت ابھی

اسے زمرہ معارف واسے طبقہ کرام
 ورنہ دلوں پہ چٹائی ہیں مایوسیات کام
 ورنہ تمام اس کا بس اب ہو چکا ہے کام
 پھر سال بھر وہی غم و اندوہ صبح و شام
 گر سال بھر رہے یونہی اس جوش کو قیام
 پا جائیں جلد قوم کے سب زخم الیتام
 جیتک کر کے ہاتھ سے دکھلاؤ کوئی کام
 آنا ہے دل لگی کی غرض سے جہاں حرام
 اب تک پڑے ہیں کام بہت اس کے ناتمام
 ہو یا روجھ کر ڈکے کرنے کا جو کہ کام
 گلستا تمہاری فکریں ہے جو کہ صبح و شام
 جو چاہتا ہے یہ کہ رہو تم بہ احترام
 جو تم کو شاد دیکھ کے ہوتا ہے شاد کام
 پشتی میں پایا دین کی بتے دین جس نے نام
 سب کچھ سنا۔ پر کام کا چھوڑا نہ التزام
 کوڑے تھے حق میں اسکے وہ سبطہٴ دلام
 یہ بچہ گیا تو بزم ہے تاریک پھر ستام
 پھر حیف ہے کہ ہونہ سکے تم سے کوئی کام
 پھر آگے دانت پھینکے دن ہیں السلام

قوم کی طرف سے حضور نظام کا شکریہ

یہ ایک میدان تھا سنانِ حشت جبہ بھی چھائی نہ سایہ تھا درختوں کا نہ یہ پانی کی سرسائی
 کیس ہوتا اگر کوئی۔ تو یہاں کوئی مکاں ہوتا پڑے تھے کچھ کھنڈر جن پر جی مٹی جا بجا کائی
 خبر کدوتی پر پا ہو گا ایک دارالعلوم اس جا زمین پر جب کو حیرت تے کا چرخ مینائی
 جسے دیکھیں گے اعیانِ ملک اگر تناسے جہاں آفاق سے سیکھیں گے اگر علم و دانائی
 یہ مٹی امید کس کو؟ پر خدا نے اپنی قدرت کا دیا جلوہ دکھا۔ جو جس کا اک عالم تماشائی
 نہ مٹی خود قومِ راضی اور مخالفت اک نہ تھا گھٹا یا وسیوں کی بایں دل پہ مٹی چھائی
 مگر سید کے انتقال نے منوا دیا سب کو کہ پریش ہو تو ہو جاتا ہے استقلال سے الٹی
 رعیت نے مدد کی۔ سلطنت نے سرسپتی کی بہت جلد اپنی نادانی سے آخر قوم پہنچائی
 مگر سچ پوچھئے تو غالب بے روج تھا کالج نہ کی ہوئی اگر سرکارِ عالی نے میحائی
 جیسا کہ پیش منسل جب پڑا کالج پخت آکر مدد پر کی مدد۔ امداد پر امداد و فرامی
 رہے گا قوم میں تعلیم کا باقی نشان جن تک
 رہیں گے شکر آصف جاہ میں طبیب اللسان تہنیک

علیگڈھ کا لچ کیا سکھاتا ہے؟

یہ کالج قوم کو آپ اپنے بن چلنا سکھاتا ہے سہارا غیر کا چھوڑیں یہ ایکسا ایک کو سبھاتا ہے
 نہ چھوڑیں دین کا دامن نہیں دنیا میں عزت نہ سبق سب قوم کے بچوں کو یہ دونوں پڑھاتا ہے
 نہیں پاتا کبھی عزت کی خواہش سے کوئی عزت معزز کس طرح بنتے ہیں؟ گز اس کے بتاتا ہے
 خدا نے کر دیا ہے حکمران جس قوم کو ہمہ سر خلوں اور دوستی اس قوم کی دلیں بٹھاتا ہے
 رعیت کو برابر حق دیے ہیں جو حکومت نے طلب سے پہلے اسکا مستحق بننا بتاتا ہے
 زمانہ قوم نے غفلت میں جو پہلے گزرا ہے ڈراؤنی صورتوں میں بار بار اس کو دکھاتا ہے
 یہ باہم مذہبی فرقوں کو بے شیر و شکر کرتا یہ روٹھوں کو مٹاتا ہے یہ بچھڑوں کو ملاتا ہے
 کھلاتا ہے یہ کھانا ایک سترخان پر سب کو نازیں بچکانہ ایک مسجد میں پڑھاتا ہے
 دفنا کا بیج پوتا ہے تعصب دل سے کھوتا ہے مسلمانوں کو گڈ سبجکٹ بننا یہ سکھاتا ہے
 نہ چھوڑے گا یہ باقی قوم میں دیکھے گا جو خامی
 خدا کی برکتیں ان پر جو اس کالج کے ہیں حامی

شکر یہ سٹر برور

سٹر برور کزنال میں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ نیک بھی تھے اور خوش اخلاق بھی۔
 کزنال سے تبدیلی کے وقت منشی عبد المجید صاحب ٹپٹی انسپکٹر پولیس نے مولانا سٹر
 یہ نظم لکھ کر سٹر برور کے حضور میں پڑھی تھی۔ (اسماعیل)

سچ ہے کیا نہ فکر بشر جس نے آشکار اس نے کیا نہ شکر خداوند کردگار
 ہم شکر کس زبان سے کریں آپکا ادا احسان ہم پہ آپ کے ہیں خارج از شمار

لے گڈ سبجکٹ. Good Subject. یعنی اچھی رعایا ۱۲ اسماعیل

کی یہاں حکومت آپ نے دس سال جس طرح
 انیسویں صدی کے یہ دس آخری برس
 جو ہے اُسے قلم ہے جدائی کا آپ کی
 حتیٰ آرزو لگے ہیں قدموں سے آپ کے
 لیکن غوشی کے ساتھ ہو غم بھی لگا ہوا
 آپ بھنی وہ گھڑی کہ ہم آئے حضور میں
 اس وقت کہ جودل پہ ہے حالت گذر رہی
 ہے حق سے یہ دعا کہ بھلائی کا تخم یہاں
 بہر ویر نے جس طرح کہ خلائق کو خوش رکھا
 خالق اُسے بھی رکھے سدا شاد و کامگار

مشر مارسلن کی روانگی ولایت

سر تقی پور مارسلن مشن ۱۸۹۵ء میں علیگڑھ کالج کے سٹاٹ ٹیٹل ہوئے تھے۔ دس
 سال کے بورڈ مشن ۱۸۹۵ء میں مشنریک کے انتقال پر پرنسپل ہو گئے۔ بہ حیثیت پروفیسر
 اور بحالت پرنسپل انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی خدمات انجام دی ہیں وہ علیگڑھ
 کالج کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔ مشن ۱۸۹۵ء میں جب موصوف اپنی بعض خانگی
 ضروریات کے لئے مستعفی ہو کر ولایت تشریف لے جانے لگے تو ایک الوداعی پارٹی
 میں مولانا نے یہ نظم پڑھی تھی۔
 (داسا حیل)

ہم سے ہوتے ہیں جدا اب آئیں مارسلن
 سایہ اپنا سر سے کالج کے اٹھانے کو ہیں وہ
 چھینتا ہے اُن کو ہم سے جذبہ حب وطن
 جس کے سر پہ تھے ہاکی طرح وہ سایہ فکن
 چھوڑ جائیں گے وہ دیو توں پھولا پھلا اپنا چمن
 حتیٰ نہ کالج کے ہوا خواہوں کو یہ ہرگز امید

کیا خبر تھی ہم کو؟ یاد آئے گا اپنا حیکہ دلیں
 چھوڑ کر بیڑا مسلمانوں کا یوں منجھدار میں
 تم نے پوری کر کے آنکھوں سے دکھا دی وہ شل
 چاہتے تھا دیکھتے اپنے چمن کی اب بہار
 پرورش میں تم نے جس بچے کی کاٹے ہیں سال
 تم نے باندھی تھی کمر جس قوم کی تسلیم پر
 پڑ لگاتے اور میں یہاں بڑھ چھل کھاتے ہیں اور
 ہے تمہارے جانشینوں کے لئے اب اہل صفا
 تم نے کی کالج کی خدمت جس خلوص صدق سے
 ہو صلیہ نمکی کا خود نمکی کہ دل سوزی کا اجر
 گو کہ یہاں تعلیم کا بویا تھا سرسید نے بیج
 جیسے پھیلا یا مقدس پال نے دین مسیح
 تم نے سرسید کی جو اصلاح میں حصہ لیا
 تم زمین کے ہونٹک بھلی ہو تم اقوام کے
 نوع انسان کی مدد کرنا تمہارا ہے شہار
 مار سن اور مار سن سکیم نے ثابت کر دیا
 نیک دل باؤ بھی کالج کی مڑتی تھی یونین
 اب دُعا یہ ہے کہ آپ اور آپ کے اہل عیال
 رہو دے ہر منزل میں توفیق الہی ساتھ ساتھ
 حافظ و ناصر تمہارا ہو خدا سے ذوالمنن

خطاب ”بہ حاذق الملک“

(منقول از ”علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ“ مؤرخہ ۵ جنوری ۱۹۰۸ء)

۱۹۰۸ء کے شروع میں جب حکیم محمد اہل خالص صاحب کو گورنمنٹ نے حاذق الملک کا خطاب مرحمت فرمایا تو حکیم صاحب موصوف کو مبارکباد دینے اور گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۵ جنوری ۱۹۰۸ء کو دہلی کی پبلک کا ایک عظیم الشان جلسہ شہر سکیم ٹاؤن ہال میں نواب امیر الدین احمد خالص صاحب والی ریاست لوہارو کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ مولانا بھی اتفاقاً دہلی میں تشریف لے گئے کے باعث جلسہ میں شریک ہوئے ایک تقریر فرمائی اور آخر میں یہ قطعہ پڑھا۔

(اسما حیل)

حاذق الملک! اس خطاب فرخ موٹو پر ایک عالم آپ کو دیتا مبارکباد ہے
پر یہ ہے کیسی مبارکباد۔ ہم حیران ہیں؟ گو کہ دل ہر اپنے بیگانہ کا اس شاد ہے
سچی و کوشش اپنے کی تھی کبھی بہر خطاب؟ یا کوئی درخواست دی تھی آپ نے کچھ یاد ہے؟
یہ تو یاروں کی دعاؤں کا ہولیں سارا ظہور غیبیہ ان دعاؤں کی ہونی اعداد ہے

بس مبارکباد یہ جو دے رہے ہیں خاص عام

مستی ہیں اسکے ہم۔ یا آپ۔ کیا ارشاد ہے؟

شکریہ مساعی جمیلہ طفر علی خان

از طرف جملہ مسلمانان

۱۹۱۳ء

(منقول از روزنامہ "زمیندار" جلد ۲ نمبر ۱۷۹ مورخہ اگست)

مسلمہ میں جب مسٹر طفر علی خاں بی۔ اے۔ اوڈیٹر مالک اخبار زمیندار جنگ بلقان کے سلسلہ میں قسطنطنیہ گئے اس وقت ان کی اسلامی خدمات اور قومی بہادری کا بڑا شور تھا۔ عام رائے سے متاثر ہو کر مولانا نے بھی اس وقت ان کی شان میں کچھ ابیات کہی تھیں لیکن نظم نام تمام رہی جب وہ واپس ہندوستان آئے اور دہلی میں پہنچے (جہاں ان کا نہایت پر جوش استقبال کیا گیا) اس وقت مولانا نے اس نظم کو پورا کیا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ خود یہ نظم ان کے سامنے پڑیں۔ پانی پت سے انہیں دہلی تارذیا گیا کہ لاہور جاتے ہوئے عورتی دیریاں ہی ٹھہریں مگر نہ تار کا جواب آیا اور نہ مسٹر طفر علی خاں ادھر سے گزرنے سے موقع گزر جانے کے بعد مولانا نے یہ نظم دفتر زمیندار میں اشاعت کے لئے بھیج دی

(اسما عیل)

اے مالک دفتر زمیندار	اے نازش قوم و فخر اقراں
اے روح دہوان جمع اجاب	اے چشم و چراغ بزم اخواں
اے دین کے امتحاں میں جانب	اے نصرت حق میں تیغ عویاں
اے صدق و صفا کی زندہ تصویر	اے شیر دل۔ اے "طفر علی خاں"
قدرت بھرے تجھے تجھ میں جو گن	جب تک وہ رہے نظر سے پہناں
توفیق و بہتری پر تیری	قائم کوئی ہو سکی نہ بُراں
پر وقت کی تاک میں براہ	ہمت تری گن رہی تھی گھڑیاں

بلقان و طرابلس میں ناگاہ
 ہمدردی اہل دیں نے آخر
 جمیت و صبر کا سرا سر
 پھیلے وہ بشکل سِل آتش
 جو دل غم قوم کتھے یے جس
 وہ بن گئے آپ اپنے رہن
 اسلام کی سمجھ اب حقیقت
 ہاں اس میں نہیں مبالغہ کہہ
 نازاں ہے وہ درگاہِ بختہ پر
 کاش ایسے جنے سدا وہ فرزند
 سوزِ غم دین حق سے جن کے
 جو ملک و وطن کے ہوں فدا
 مشرق میں ہوں درویش چین
 پنجاب کو بختہ پہ ہو اگر خسر
 اٹھاسم و جٹا کا لوفان
 جو ہر ترے کر دیے نمایاں
 دامن ہوا چاک تا گریباں
 دل میں ترے جو شرتے پہناں
 جی اٹھے وہ مرد جو تھے پیاں
 چلنے لگیں اُن دلوں پہ پھریاں
 جو مال کے اپنے تھے نگہباں
 جو نام کے تھے فقط مسلمان
 مستجابی ہو اسے ظفرِ طغیان
 تعلیم پہ جس کی ستو ہے تازاں
 جو قوم کے درد کے درماں
 سینے ہوں کیا بال ہوں بریاں
 جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
 مغرب میں سنیں جو رنجِ خواں
 ہے اس کو یہ محرزِ فناء و شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت

ہوں زندہ دل ایسے حسین ازل

حصہ اول تمام شد

حصہ دوم

غزلیات

موانا کی تمام غزلیات تین حصوں میں تقسیم کیا سکتی ہیں :-
اول وہ قدیم غزلیات ہیں جو ایام جوانی یا اس زمانہ کی تصنیف
 ہیں جب حالی پر تغیرات زمانہ کا اثر نہ پڑا تھا اور جس وقت شاعری صرف گلگلی ٹی
 حسن و عشق، ہجر و وصال اور عاشقانہ مشکوہ و شکایت وغیرہ مضامین میں ہی
 منحصر سمجھی جاتی تھی۔ حالی کی یہ غزلیات بھی زمانہ کی ہوا کے موافق اسی رنگ
 میں رنگین نظر آتی ہیں۔

دوسری قسم کی غزلیات اس وقت کی ہیں جب زمانہ پلٹنے لگا
 اور نئی طرز کی شاعری کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی۔ پرانی شاعری سے
 طبیعت متنفر ہونے لگی اور رفتار زمانہ کو دیکھ کر اس بزرگ حکیم کے دل میں بھی
 قومی ورد اٹھا جو آخر کار اس ناعمانہ اور حکیمانہ کلام کا باعث بنا جس سے
 حالی کی تمام منظوم تصانیف لبریز ہیں۔ اس زمانہ کی غزلیات سے نصیحت
 عبرت اور درد پیکار پڑتا ہے اور دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں حالی
 نے فاتحانہ انداز سے قدم رکھا ہے۔ اور جس میں وہ اپنے تمام معاصرین
 سے نہایت ممتاز نظر آتے ہیں۔

آدل اور **دوم** دونوں قسم کی غزلیات ویو این حالی میں صاف
 طور پر چلچلہ علیحدہ نظر آتی ہیں۔ اور ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی
 غزلیات قدیم ہیں اور کونسی جدید؟

تیسری قسم کی غزلیات وہ ہیں جو حالی کی بالکل آخری عمر کی تصنیف
 اور دیوان کے شائع ہونے سے بعد کی ہیں اور جن میں تبرحہ کی پختہ کاری، اعلیٰ درجہ
 کی قوت فیصلہ، ہر معاملہ میں عجیبی تلی رائے، کلام کی خوبی و لطافت، اور حسن بیان
 غرض ہر خوبی نہایت نمایاں نظر آتی ہے۔ اور جن سے اس مشہور مقولہ کی سچائی پورے
 طور پر دہن نشین ہو جاتی ہے کہ "شاعر جس قدر ضعیف اور بڑھا ہوتا جاتا ہے۔
 اسی قدر اس کی شاعری بھٹی اور جوان ہوتی جاتی ہے"

ہم نے تینوں قسم کی غزلیات میں تیز کے لئے کچھ اشارات مقرر کر دیے ہیں۔
 جن سے ناظرین سمجھ لیں گے کہ کونسی غزل کس وقت کی تصنیف ہے :-
 (۱) قدیم غزلیات کے شروع میں حاشیہ برق بنادیا گیا ہے۔
 (۲) جدید قسم کی غزلیات چونکہ بہت زیادہ تھیں لہذا آسانی کے لحاظ
 سے ان پر کوئی نشان نہیں لگایا۔ ان کا نشانات سے خالی ہونا ہی ان کے
 جدید ہونے کی علامت ہے۔

(۳) آخری عمر کی غزلیات پر ان کا نشان بنادیا گیا ہے۔

ہم تینوں قسم کی غزلیں جدا جدا درج کرتے مگر ردیفوں کے سلسلہ کا
 بھی خیال تھا اور اس صورت میں یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ کیونکہ علیحدہ
 علیحدہ ہر قسم میں اس قدر غزلیں نہیں ہیں کہ وہ تمام ردیفوں پر تقسیم
 ہو سکیں لہذا مجبوراً تینوں اقسام کی غزلیں ملا جلا کر لکھ دی گئیں۔ اس طرح
 ردیفوں کا سلسلہ بھی پورا ہو گیا اور ہر غزل پر خاص نشانات لگا دینے سے
 تمیز میں بھی آسانی ہو گئی (اسماعیل)

الف

قبضہ ہودلوں پر کیا اور اس سوا تیرا اک بندہ نافرماں ہے حمد سوا تیرا

گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا
 محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
 تجا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی کلی میں نگوں اپنی رہتا ہے گدا تیرا
 غفلت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں قطع ہیں خیر و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
 تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محسوس ان کو جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
 لشکر میں وہ احسان کے سرشار ہیں اور بخود جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
 سمجھا ہی پرے بجو اور اک کی سرحد سے جس قوم نے رکھا ہے انکار و اتیرا
 طاعت میں ادب تیرا عصیاں جو گوڑھ کر عصیاں میں ہو طاعت سے اقرار و اتیرا
 آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ ہمک تیری گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا
 ہر بول ترا دل سے نکلا اسکے گذر تا ہے

کچھ رنگ بیاں خالی ہو سب سے جدا تیرا

کامل ہے جوازل سے وہ ہو کمال تیرا باقی ہے جو اب تک وہ ہے جلال تیرا
 ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا
 کاوش میں ہے الٰہی دگدگ میں ہو طبعی جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
 چھوٹے ہوئے ہیں گویا پول بند ہوئی ہیں ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
 گو حکم تیرے لاکھوں یاں مالتے رہی ہیں لیکن ٹلانہ ہرگز دل سے خیال تیرا
 پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی؟ پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
 انکی نظریں شوکت جھتی نہیں کسی کی آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا

لہو یہ اشارہ ہے اس حدیث کیطون "اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ لَفُحَاتٍ فِي الدِّهْرِ لَا فَتَرَ مِنْ اَھَمَّ"
 یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سو انکا آگلا اور اُن کو اور پرانہ جانے دو ۱۲ حالی

دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر غریزہ رکھے
 دل ہو سو خیر تیری۔ جان ہو سوال تیرا
 ہو پر زل سے دل اس کا قوی زیادہ
 رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زل تیرا
 ہے پاس دوستوں کے تیری ہی نشانی
 یار بیا بھی نہ پائے زخم اند مال تیرا
 بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگ آشنائی
 سن سن کے نہ دھنیں گے قال اہل حال تیرا
 رُپ میں دشت جنوں کی تیرے عجب مزا غور دیکھا
 نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خار دیکھا
 نہ ہی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے اس ٹوٹے
 رہے سدا مراد جو یاں اُنھیں بھی امید وار دیکھا
 رنج جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افسر ورجس چہن میں
 نہ بلبل و گل میں واں تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا
 سوار۔ محمل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب میں ڈرے
 نہ محمل آیا نظر نہ نات۔ فقط کچھ اٹھتا غبار دیکھا
 جو لاکھ میں ایک پر۔ کہیں کچھ کھلا بھی سمت سے بھید تیرا
 بلا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو نہ ارڈھونڈا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھکے دریاے پر خطر سے
 گئے وہ کوڈ آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پاؤں دیکھا
 بچے ہوئے کا ہشوشیاں کی وہی ہیں جو تیری ہو رہے ہیں
 وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ نگار دیکھا
 چہن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
 گل اُن کی نظروں میں چھپے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہے۔ کون ہے۔ اور تو کہاں ہے؟
 یہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے عداوت لک استوار دیکھا
 سلوک ہیں تیرے سب کیساں وہ گبر و ترسا ہوں یا مسلمان
 نہ ان سے کچھ تیرا سیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا
 سہ بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر ٹپے ہاتھ باندھ سب کے

جنہیں تھایاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا
 بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
 ہمیشہ بیکار تجھ کو پایا کبھی نہ گرم کار دیکھا

پر وہ ہوا لکھ کینہ شمر و زبرد کا
 مضمون ہو نقش دل میں لکھ پتا مرید کا
 قفل درِ مراد سب اکبار کھل گئے
 دیکھا ہی نہ تھے عالم رحمت کو غور سے
 شرم گرم کی ہیں پی گر پر وہ دایاں
 ہو نردبان جذبہ توفیق دریاں
 ہو آسمان پتیرے جگر غار کا دماغ
 تسکین نہیں شاہدہ گاہ گاہ سے
 دوزخ ہو گر وسیع تو رحمت وسیع تر
 لا تھقلن اجواب ہو حل من عین کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیانیان
 لیگانہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

لہ قرآن شریف میں ہے "لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ" یعنی اہل جنت کے لئے جنت
 میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہو گا اور (اسکے سوا) ہمارا پاس اور بھی (بہت کچھ) ہے ۱۲۔ حالی

نعت

یا ملکی الصفات یا بشرتی القوی
 تجھ کو ہوئی زندہ خلق جیسو کہ بارگاہِ خاک
 دعویٰ روشن تر انا بت بے ہیئتہ
 قال ترا اور حال شہ وحدت میں چور
 غیب بھیجی تجھے۔ پاتا پھرتا تھا جب
 اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کو وقت
 شان رسالت کی تھی تیری جس کے عیاں
 گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو
 دوڑ پڑے سو حق کاٹ کے سب پریاں
 رامہب قسیدیں جبرہ گئے دل تھام کر
 خاک تھی جس ملک کی مخرج شرف و فساد
 تو نے محل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
 چھوڑ گئے تھے سلف کا مودھو کہ بہت
 تو نے کیا ستر حق عارف عامی پہ فاش
 چوٹ حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی
 حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام
 دہر ہوئے بے چراغ اور صلوات ہو
 بچھ گئے آتش کے بیٹھے گئے بتکڑے

فیک وریٹل علیہ السلام خیر الزمرے
 خلقک خضب الزمان بھنگ تھیا الزمرے
 صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گرا
 اور نہایت اچھا اور بچھونا خدا
 دشت میں بھٹکا ہوا فساد فلیہ بے رہنا
 جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا
 گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا
 گلہ آدم تھے سو پچھ چکی تھی قصا
 امیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
 دیکھ کے تیرا قدم ہم قدیم انبیاء
 تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا
 جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترخم کیا
 تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
 ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
 ایک کے چر کا لگا ایک کو گھائل کیا
 پھر نہ کسی دین کا رنگ جہان میں جما
 شرک ہوا مضحک اور کہانت ہنسا
 ہو گئی تثلیث مات اور ثنویت فنا

ملہ دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ ہنسا عبا زنا خیر ملہ مجوسی جو د خدا ایک شائق
 ہر ایک خالق شہ یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲۰

اٹھے بہت مدعی جیسے کہ سادوں میں لٹائیں
غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام
رہ گیا نام سبجاء کذب میں ضرب المثل
سلسلہ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں سے نکال
بس نہ رہا اشتباہ اب حق دباطل میں کچھ
تجھ پہ صلوٰۃ و سلام رب سموات سے
روز و شب صبح و شام قدر مال و حصا

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا
ابراہیم سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا
رایوں سے راج چھینے شاہوں سے تاج چھینے
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقوٰی
جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا
جس رہگذر میں بیٹھا تو غول راہ بن کر
صنعاں سے راست رو کو رستہ بٹھا کے چھوڑا

لے سبجاء ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں
ہیں اکذب من سبجاء اور اسود عسی اور سیلہ جس کی کنیت ابن کثیر ہے یہ دونوں مدعی نبوت تھے
جو آخر کار قتل کئے گئے ۱۱۔

فرہاد کو کہن کی لی تو نے جان شیریں

اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا

یعقوب سے بشر کو دی تو نے نا صبری

نوسٹ سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا

لاگ اور لگاؤ دونوں دگداز تیرے

پتھر کے دل تھے جن کے انگوڑا کے چھوڑا

عقل و جرؤ نے تجھے کچھ چچاقش جہاں کی

عقل و جرؤ کا تو نے خاک اڑا کے چھوڑا

علم و ادب رہے ہیں دبے ترے ہمیشہ

ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا

افسانہ تیرا رنگین زوداد تیرا ہی دلکش

شعر و سخن کو تو نے جاؤ بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا

اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کیجو ہم سے نہ تو کنارا تیرا ہی رہ گیا ہے لے دیکے اک سہارا

یوں بے سبب مانہ پھر تا نہیں کسی سے اے آسماں کچھ اس میں تیرا بھی ہوا شمارا

مینجانہ کی خبر ابی جی دیکھ کر بھر آیا مدت کے بعد کل داں جانکے تھے فضا را

اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے اے زاہد و تمہارا ہے اس میں کیا اجارا

دُنیا کے خرخوش سے چیخ اٹھے تھے ہم اول آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

توفیق نے ہمیشہ لی ثنّت پر ضرب دیاں جب ناؤ ڈگ لگائی پاس آگیا کینارا

۱۵ دلا نا کہنتی دلا نا یعنی بچاؤ نا۔ اکثر کہنتی کا فضا حزن کرنے صرف دلا نا بولتے ہیں۔ ۱۲

اضافہ جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے جتنے ہنرتھے اپنے عالم میں آشکارا
افسوس۔ اہل دیں بھی مانند اہل دنیا خود کام و خود غامیں خود ہیں میں اور خود آرا
امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر اسلام ہی فیتہ ہو! ممنون بہت تمھارا
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہو چپ سب کچھ کہا انھوں نے پرہنے دم نہ مارا
حالی سے کام ہر یاں فعلوں سے اس کے کیا کام

اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یا رہے ہمارا

روانا ہو گا حالی شاید یہ کم تمھارا جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہو غم تمھارا
اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہو بڑھتی جاتی چھوڑے گا کھا کے شاید عاشق کو غم تمھارا
عاقل میں شہر میں کم نادان بہت ہیں اعظا ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمھارا
دُجو نہیں کوئی ہاں حیف احو صم پرستو دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمھارا
گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم اپنی نظر میں ہو گا گردن کم تمھارا
دشتِ طلب کے رستو طے ہو گے کس طرح تم آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمھارا
دو بینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو بس جام جم ہمارا اور ملک جم تمھارا
روسی ہوں یا تاراری ہم کو تائیں گے کیا دیکھا ہے سینے برسوں لطف و کرم تمھارا
کھولی ہیں تنے آنکھیں اسی حادثہ ہمارے احسان پہ ہر گز بھولیں گے ہم تمھارا
ہوتے ہی تم تو پیل کچھ رو دیئے سو اردا ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اک قدم تمھارا
رستے میں گز نہ ٹھہرے تو تم بھی جا لو گے گزرا ابھی ہر یاں سے خیل و حشم تمھارا
پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم؟ گم ہے تمھیں میں یا رو۔ باغِ ازم تمھارا

جادو رقم تو مائیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائے زورِ قلم تمھارا

وہ دل ہی شگستہ نہ وہ بازو ہیں تو انا پہونچا ہی بس اب کوئی کام سمجھو زامانا

خود ہر وطن سے ہے وداع اب سفر میں جانا ہو وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
 ولی سے نکلتے ہی ہوا جینے سو دل سیر گویا نہ رہا اب کہیں دُنیائیں ٹھکانا
 یارب طلب وصل ہو یا ہو طرب وصل جس دن کہ یہ دونوں نہوں وہ دن دکھانا
 دُنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرمات پھل بُل میں تم اس زلالِ فنا کو نہ آنا
 افسوس کہ غفلت میں گناہِ جوانی تھا آپ تھا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا
 یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت بنیں مٹی اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سنانا
 دُنیا میں اگر ہو بھی فراغت کا کوئی دن وہ دن ہو کہ جہنم ہو اسے چھوڑ کے جانا
 لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سوا اجازت نہ دیا خبردار کہ نازک ہے زمانا

دُھارس سی کچھ اسی ہمدردی سے بندھی ہو

حالی کو کہیں اہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا

یہ بھی ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا
 ہوا لاکھ غیروں کا غیر کوئی نہ جانتا اس کو غیبِ ہرگز

جو اپنا سایہ بھی ہو تو اس کو تصورِ اپنا نہ کیجئے گا
 سنا ہے صوفی کا قول ہو یہ کہ ”ہے طریقت میں کفر دعویٰ“

یہ کہند ”دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجئے گا“
 اسی میں ہے خیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو

کرے وہ یاد اس کی بھول کر بھی کبھی تنہا نہ کیجئے گا
 کہے اگر کوئی تم کو داغِ اُٹا کہ ”کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہو“

زمانہ کی خوب نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجئے گا
 کمال ہے ضدِ بے کمالی۔ نہیں ملاپ اُن میں حرفِ گیر و!

جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجے گا تو آپ بیجانہ کیجے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ نہ راہ نہ درو آفت کی آگ نہ راہ

پھر اور کیسا کیجے گا آخر جو ترک دنیا نہ کیجے گا

تھارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رخصتا جو

سلوک اس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجے گا

ہو غم و دیر شاہد کعبہ سے پھر کر اپنا آتا ہے دور ہی سے ہکو نظر گھر اپنا

قیدِ خود میں رہتے آتے نہیں نظر ہم وحشت رہیگی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا

پیرِ مغاں سے ہو کر بت سرخرو ملیں گے فضل و ہنر کا ہوگا جب چاک محضر اپنا

بیگانہ و دشمن ہے گرد و توہی ہمارا ڈھب کا ایسوں ہی سے بھٹا ہے یار انا اکثر اپنا

عصمت اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا

کچھ کذبِ افتر ہے کچھ کذبِ حقِ نام ہے یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

خیروں کو لینے آخر اپنا بنا کے کیا ہم

اپنوں ہی سے ہر حالی کچھ دل مُکدّر اپنا

معنی کا تم نے حالی دریا اگر بہا یا

یہ تو بتائیں حضرت! کچھ کر کے بھی دکھایا

اے بانگِ طبل شاہی وں ہو گیا جب آخر

خواب گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا

تھا ہوش یا دگل کا دورِ خزاں میں کسکو

اے عندلیبِ نالاں یہ تو نے گل کھلایا

دیراں ہے باغِ تیرے پھولی نہیں سہا

مژدہ صبا نے یارِ بے مہل کو کیا سنا یا

اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دیں کا
 گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بسا بنایا
 دڑنے میں گئے اب ہم بجرم ہی سزا سے
 احسان اُس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا
 واعط کی جھجھتوں سے قائل تو ہو گئے ہم
 کوئی جواب شافی پر اُس سے بن نہ آیا
 آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدم خزاں کا
 دو دن میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا
 تقلید قوم ہی پر گر رہے مدارِ تحسین
 تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا
 دیکھا تو کچھ نظر میں حالی تجھ سے اپنی
 جو جو گمان تھے ہم کو اُن کا نشان نہ پایا
 نفس دعویٰ بیگناہی کا سدا کرتا رہا
 حق نے احساں میں نہ کی اور میں نے کفر میں
 چور یوں دیدہ و دل کی نہ شرایا کبھی
 طاعتوں کی زد سے بچ بچ کر چلا رہا خطا
 نفس میں جو بار و خواہش ہوئی پیدا کبھی
 منہ نہ دیکھیں دست پھر میرا اگر جانیں کہ میں
 تھانہ استحقاق تحسین پرستی تحسین سدا
 شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں
 ایک عالم سے وفا کی تو نے ادھیالی مگر
 گرچہ اُترے جی سے دل اکثر آتا کرتا رہا
 وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
 چپکے چپکے نفسِ خائن کا کسا کرتا رہا
 دار اُن کا اس لئے اکثر خطا کرتا رہا
 اُس کو چیلے دل سے گھر گھر کر داتا کرتا رہا
 اُن سے کیا کتنا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
 حق ہو جو دون ہی کا وہ ادا کرتا رہا
 کبر نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا
 نفس پر اپنے سدا ظلم و جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشت اپنا جھلانا پڑے گا -
 ہنوضوں فی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
 ”نصیحت بے اثر ہے گرنہ ہو درد“ یہ گزناصح کو بستہ لانا پڑے گا
 جنہیں ہر جھوٹ کو بیچ کر دکھانا انہیں بچوں کو جھٹلانا پڑے گا
 عوام الناس کا ہوگا جنہیں منصفہ انہیں خاصوں پہنچانا پڑے گا
 رہے وصفِ جہاں کی مشق واعظ تھیں بچوں کو چھٹلانا پڑے گا
 سخن میں پیروی کی گرسلف کی انہیں باتوں کو دھڑلانا پڑے گا
 تعلق کا ہے چھندا پیچ در پیچ ۱ قطعہ یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا
 بہت یاں ٹھوکرین کھائی ہیں تہنہ ۲ بس اسب دنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
 نہیں توانش کی اس عکدے میں ۳ کہیں دل جا کے بھلانا پڑے گا
 دل اب صحبت کو سوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو چپٹا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فتح منسرا پڑے گا
 بشر ہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
 اسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر ہیں اپنے رونا پڑے گا یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز و کہاں تک یہ آتش مزاجی تھیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی بس ابل تر شیکووں کو دھونا پڑے گا
 بن آئیگی ہرگز نہ یاں کچھ سکے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا
 ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
 مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اسے ابر کرم ترسائے گا میں بھی رحمت کا کبھی ترسائے گا
 پھل کچھ اسے نخل دفا تجھ میں نہیں جو لگا لگا تجھے پھتائے گا
 دوست کا آیا ہی سمجھو اب پیام آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
 ذوق سب جا رہے جز ذوق دردِ قطعہ اک یہ لپکا دیکھے کب جائے گا
 واعظ آتا ہے تو آنے دو اسے ۱ پر مزا آنے کا یاں کیا پائے گا
 آئے گا اور ہم کو شرمایگا مہفت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
 عیب خالی نہ واعظ ہے نہ ہم ۳ ہمہ پہنچے آئے گا منہ کی کھائے گا
 دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صفا رنگ سیاہ دیوانہ اک دن لائے گا
 باغ و صحرا میں رہے چون گدل جی قفس میں اسکا کیا گھبرائے گا
 رنگ گردوں کا ہر کچھ بڑلا ہوا ۱ قطعہ شدہ تازہ کوئی دس لائے گا
 ابر و برق آئے ہیں دونوں ساتھ ساتھ ۲ دیکھئے رہے گا یا ترسائے گا

مشکلوں کی جس کو ہے حالی خبر

مشکلیں آساں وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا منہ اسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
 دل میں باقی ہے وہی حرص گناہ پھر کئے سے اپنے ہم پھتائیں کیا
 آؤ لیں اس کو ہمیں جا کر منسا اس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
 دل کو مسجد سے نہ مندر سے اُنس ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
 جانتا دینا کو ہے اک کھیل تو کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
 عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی مرے اب دیکھیے پیش آئیں کیا
 دل کو سب باتوں کی ہے ناصح خبر سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے اک بزرگ دین کو ہم بھلا میں کیا

ہو چکے حالی غمِ لُحْزائی کے دِن

راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالیک کو پلایا جاتا

اک چراغ اور سرِ راہ جلا یا جاتا

کر دیا اُس نے تو اللہ سے غافلِ ناصح!

اُس کو کیوں بھولتے گر اِس کو بھلایا جاتا

چپ چپاتے اُس دے اُسے دل اک بات پر ہم

مالِ منگنا نظر آتا تو چھپایا جاتا

شب کو زاہد نہ مٹ بھیر ہوئی خوب ہوا

نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا

دل کو یہ تو نے دکھایا ہی کہ دکھ جاتا ہے

چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دکھایا جاتا

نامہ بزرگ بھی خط لیکے نہ آیا یا رد

تم تو کہتے تھے کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا

عشق اُس وقت سر پر تری منڈ لانا تھا

گودیوں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا

لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیارِ ہودہ

اُس کی صورت تو ایسا نہیں پایا جاتا

بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اسے دُنیا

ہے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا

کرتے کیا ہوتے اگر نہ عشاء تا صبح
 وقت فرصت کا یہ کس طرح گنایا جاتا
 دل نہ طاعت میں لگا جب لگایا غم عشق
 کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
 اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
 بھڑک اٹھا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
 عشق سنتے تھے جسے ہم وہی ہے شاید

”خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا“

اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہوتا حالی
 کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہانیں یوں نہیں اک نام ہو گیا
 کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نام ہیں
 بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا
 ناچیز ہیں وہ کام۔ نہیں جنہ کچھ الزام
 جو کام ہیں۔ انکا یہی انعام ہے گویا
 ہر وقت جیل اور وہی عشرت کہیں مان
 آخر مونی آرات اور ابھی یاں شام ہے گویا
 اٹھا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بری طرح
 آغاز ہی آفت کا بس انجام ہے گویا
 آد بار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام
 اسلام کا آد بار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھے حالی کو پڑا پائے بیکار
 کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر نورِ صفا ہوتا
 تھافت جان اسکا انداز کما ندری
 توسب میں ملا رہتا اور سب جدا ہوتا
 ہم بچکے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا
 کچھ اپنی حقیقت کی گر تب کو خبر ہوتی
 میری ہی طرح تو بھی غیر و سب تھا ہوتا

یہ طعنت بناوٹ میں دیکھانہ سنا قصہ
 باتوں میں شکایت کی بڑھتی ہو الفت کی
 ہم روزِ دُعا اُس سے ہنس نہیں کے ہوئے نہخت
 گردِ صابنِ دل توتے سُن کر مری بیتابی
 جو دل پر گزرتی ہے کیا جہم کو خبرِ ناصح
 جو جہان در گزرد وہ چاہے سو کر گزے
 گلِ حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ

سُننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

پیش از طورِ عشق کسی کا نشان نہ تھا

تھا حُسنِ میزبان کوئی میہان نہ تھا

ہم کو ہزار میں بھی سرِ گلستاں نہ تھا

یعنی خزاں سے پہلے ہی دلِ شادماں نہ تھا

ہلتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام

گو یا ہمارے سر پہ کبھی آسماں نہ تھا

کیا جانتے تھے جا بگیا جی اک نگاہ میں

تھی دل کی احتیاط مگر بیمِ حباں نہ تھا

بیچ ہے کہ پاسِ خاطرِ نازک عذاب ہے

تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا

کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں

تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جان نہ تھا

رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیے جواب

مجھ کو خود اپنی ذات سے ایسا کہاں نہ تھا
رونا ہی یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے در نہیاں

طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گراں نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں مجھ گئی

مانا کہ اس کے ہاتھ میں تیرا دوسناں نہ تھا
بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا نہ ہمار
شب الجھن میں حالی جا دو بیاں نہ تھا

ریخ اور ریخ بھی تنہائی کا	وقت پہونچا میری رسوائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا	کاٹنا ہے شب تنہائی کا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا	کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پونچے ہم	شوق تھا باد یہ پیمائی کا
اُس سے نادان ہی بن کر ملے	کچھ را جا رہ نہیں دانائی کا
سات پر دو نہیں نہیں ٹھہرتی آنکھ	حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
درمیان پائے نظر ہے جب تک	ہم کو دعویٰ نہیں بینائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی	ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
اُسکو چوڑا تو ہے لیکن بے دل	مجھ کو ڈہری تری خودائی کا
بزم دشمن میں نہ جی سے اترا	پوچھنا کیا تری زیبائی کا
یہی انجام تھا اوی فضل خزاں؟	گلِ دلیل کی شناسائی کا
مدد اے جذبہ توفیق کہیاں	ہو چکا کام تو انائی کا
محببِ عذر بہت ہیں لیکن	اذن ہم کو نہیں گویائی کا
ہونگے حالی سے بہت آوارہ	گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق

انماض چلتے وقت مُردت سے دُور تھا

رود کے ہم کو اور لانا ضرور تھا

تھی ہر نظر نہ محرم دیدار در نہیاں

ہر خار تخیلِ امین و ہر سنگ طورتھا

دردا کہ لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز

چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دُور تھا

جانی نہ قدر رحمتِ حق پارسانے کچھ

ٹھہرا قصور وار اگر بے قصور تھا

دُردی کشانِ بزمِ مغان کا نہ پوچھ حال

ایک ایک رندِ شہِ وحدت میں چور تھا

اب بایابِ انجمنِ عام بھی نہیں

وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا

کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا طور تھا

بیمار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر

بہرِ نازِ نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شاداں

تھا وصلِ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا

۱۵ اس غزل کے متعلق پیچ صاحب کی جنتری ۱۹۸۷ء صفحہ ۱۱۱ سے یہ دو شعر ہم کو ملے ہیں جو دیوان میں نہیں تھے۔ لہذا یہ دونوں یہاں حاشیہ پر درج کر دیے جاتے ہیں (اسماعیل)
کیونکر کہوں کہ تم مے مرے سے شاد تھے
چہرہ تھا آئینوں او داس جو دلیں سُسرور تھا
زاہد کو گر عبادت و تقویٰ پہ تھا گہنڈ
نہ کو بھی افعال پہ اپنے غمِ دور تھا

دل سے خیال دوست بھلایا نہ جائے گا
 تم کو ہزار شرم سہی مجھ کو لاکھ ضبط
 اے دل رضا غیر ہے شرط رضا دوست
 دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں
 تے تند و ظرف حوصلہ اہل نرم تنگ
 راضی ہیں ہم کہ دوست ہو دشمنی - مگر
 کیوں چھڑتے ہو ذکر نہ ملنے کارات کے
 بگڑی بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ
 ملتا ہے آپ سے تو نہیں حصّہ سیر پر
 مقصود اپنا کچھ نہ کھالیں اس قدر

جھگڑوں میں اہل دین کے نہ حالی ٹہریں لہجہ

قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

قن اور دل میں بوا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا مجھے زخم دل
 سبب ہو نہ لوٹ پہ آنا ضرور
 وہ اُمید کیا جس کی ہوا انتہا
 ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا
 نہیں بھولتا اسکی رخصت کا وقت
 سماں کل کا رہ کے آتا ہو یاد
 سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا
 نہ دے میری اُمید مجھ کو جواب
 دلا سا تمھارا بلا ہو گیا
 اگر تیرا اس کا خطا ہو گیا
 میرا شکر اس کا کلمہ ہو گیا
 وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
 مرض پڑھتے پڑھتے دوا ہو گیا
 وہ رورو کے ملنا بلا ہو گیا
 ابھی کیا تھا اور کیا سو کیا ہو گیا
 وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
 رہے وہ خفا اگر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دل بہتلا ہو گیا

ق سنگِ گراں ہر راہ میں تمکینِ یار کا
اب دیکھنا ہے زورِ دل بقیار کا
اک مٹوسی ہو گئی ہر تحمل کی ورنہ اب
وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و شہر کا
آؤ مٹا بھی دو غلشِ آرزوئے قتل
کیا اعتبارِ زندگی مستعار کا
ہم خوش کبھی ہوتے ہوں تو غم ناگوار ہو
بلکہ انہیں محسوس گلہ روزگار کا
سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر
میرا اک القات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدہ وصال
سن لیں گے وہ آلِ شبِ انتظار کا
اب محو ہوئے گل پہ ہوا کب دلِ خیز
ہم کو چمن سے یاد ہے جانا ببار کا
ہر سرت گردِ ناتہ لیلے بلند ہے
پہونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغولِ وطن کو بھلا دیا
خانہ خراب خاطرِ لغت شاعر کا

حالی بس اب یقین ہو کہ دلی کے ہوئے
ہے ذرہ ذرہ ہر فنِ اس دیار کا

ب
درو دل کو دواسے کیا مطلب
کیما کو طلا سے کیا مطلب
چشمہ زندگی ہے ذکرِ جمیل
خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب
بادشاہی ہر نفس کی تسخیر
ظنِ بالِ ہما سے کیا مطلب
جو کینے بھریں گے خود و اعظ
تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جکے مہو و جور و غلاماں ہیں
ان کو زاہد و خدا سے کیا مطلب
کام ہر مردی سے انسان کی
قطعہ زہد یا اتقا سے کیا مطلب
ہو اگر رند و امن آلود ۲۵
ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفی شہزاد صفا ہے اگر ۳ ہو۔ ہمارے بلا سے کیا مطلب

نگہت نے پہ غش ہیں جو حالی
۲ اُن کو دروِ صفا سے کیا مطلب

ق

مجھ میں وہ تابِ ضبطِ شکایت کہاں ہے اب

چھپو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زباں ہے اب
وہ دن گئے کہ جو صلہ ضبطِ راز تھا

چہرے سے اپنے شورِ پش پناں عیاں ہے اب
جس دل کو قیدِ ہستی دُنیا سے تنگ تھا

وہ دل اسیرِ حلقہٴ زلفِ بُتاں ہے اب
آنے لگا جب اُس کی تنائیں کچھ مزا

کہتے ہیں لوگ ”جان کا اسمیں زیاں ہے اب“
لغزش ہو۔ بلا ہے حینوں کا ارتفات

اے دل سنبھل۔ وہ دشمنِ دین مہیاں ہے اب
اک جرّہ شراب نے سب کچھ بھلا دیا

ہم ہیں اور آستیانہ پیرِ مُغاں ہے اب
ہے وقتِ ترغ اور وہ آیا نہیں ہنوز

ہاں جذبِ دل مدد کہ دم امتحاں ہے اب
ہے دل غمِ جہاں سے سبکدوش اندازوں

سرِ تپا سو جتنا کوئی بارِ گراں ہے اب
حالی تم اور ملازمتِ پیرِ غمِ فروش

وہ علمِ دین کی ہر جہ وہ تقویٰ کہاں ہے اب

یہ ہیں واعظ۔ سب پہ منہ آتے ہیں آپ **پ**
 بس بہت طعن و ملامت کر چکے **پ**
 ہے صراحی میں ہی لذت کہ جو **پ**
 واعظ! ہے ان کو شرمناگسناہ **پ**
 کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیوں؟ **پ**
 کرتے ہیں آباد و وزخ کو حصور **پ**
 ناصح قوم اس پہ کہلاتے ہیں آپ **پ**
 کیوں زباں رنندوں کی کہلاتے ہیں آپ **پ**
 چڑھ کے میٹرو پر مزا پاتے ہیں آپ **پ**
 جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ **پ**
 اس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ **پ**
 خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ **پ**

پھیر کر واعظ کو حالی۔ خلد سے
 بستر کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ؟

ت

گوجانی میں تھی تجسباتی بہت **ت**
 دیر برقع تو نے کیا دکھلادیا **ت**
 بہت یہ اسکی اور پین جاتے ہیں **ت**
 سر و پاگل آنکھ میں پچھتے نہیں **ت**
 چور تھانہ مخومیں اور کتنا تھا حُر **ت**
 آکر ہی ہے چاہ یوسف سے صدا **ت**
 دھل کے ہو ہو کے سماں رہ گئے **ت**
 جان نثاری پر ہ بول اٹھے مری **ت**
 ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلىٰ کر دیا **ت**
 کرو یا چپ اوقات دھرنے **ت**
 گھٹ گئیں غ و تلخیاں آیام کی؟ **ت**
 گوجانی ہم کو یاد آئی بہت **ت**
 جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت **ت**
 راس ہو کچھ اسکو خود آئی بہت **ت**
 دل پہ ہو نقش اسکی رعنائی بہت **ت**
 راحت اس تکلیف میں پائی بہت **ت**
 دوست یاں تھوڑی ہیں بھائی **ت**
 منہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت **ت**
 صہیں فدائی کم تماشائی بہت **ت**
 خاکساری اپنی کام آئی بہت **ت**
 تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت **ت**
 یا کسی کچھ بڑھ شکیبائی بہت **ت**

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چُپ رہو

راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اُسکے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت

نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بکبل

کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاِ شبِ وصل

ہو گئی اور ہی کچھ شامِ دسہر کی صورت

اپنی جیلوں میں سارے نمازی ہشیار

اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھیے شیخِ منصور سے کچھ یا نہ کچھ

صوت۔ اور آپ بے عیبِ بشر کی صورت

واغظ! آتشِ دوزخ سی جہاں کو تم نے

یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے در کی صورت

کیا خبرِ زابہِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص

اُس نے دیکھی ہی نہیں کیسے زر کی صورت

میں بچا تیر حواش سے نشا نہ بن کر

اُڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اُسکے فرا۔ در و میں اُس کے لذت

ناصحا اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حکمہ اپنے پہ بھی اک۔ بعدِ ہر میت ہے ضرور

رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت
 رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسانِ خطا
 راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت
 یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بڑا سَوَ بار

پڑ ڈرائی ہے بہت آج بھنور کی صورت
 آنکو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہان
 دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

ت بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت
 جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بے کل
 شب وعدہ ہے بارِ عام اُنکے در پر
 غمِ دل نے رُسوا کیا ہم کو آخر
 ہر اس ریش پر وشمہ کیا خوب کھلتا
 یقین ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا
 یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت
 سمجھ کر قاتلِ حالی کو دیکھو
 مٹاؤ نہ عشقِ دجالی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچھا
 رنج رہی ہے کان میں یاں لئے وہی
 ناؤ ہے بوسیدہ اور موحیں میں سخت
 اک کہانی پیرزن کی رُخِ گئی
 دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں
 دل کو یہ کیسی لگا وہی تو نے چاٹ
 اور منحنی نے کسی بدلے میں ٹھاٹ
 اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
 راج کسرے کا رہا باقی نہ پاٹ
 ہر مگر یاں جی کچھ اسے زاہد اچھاٹ

کہے تجھ کو بنا دین اسے امیر
 رہتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر
 برق منڈلاتی ہے اب کس حسینہ پر
 تیغ میں بڑش یہ اسے حالی نہیں
 چلیاں سی دل میں یہ لیتا ہو کون
 میں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
 سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
 ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
 حقد ر تیری زباں کرتی ہو کاٹ
 شہر تو ظاہر میں ہیں تیرے پاٹ
 ش

باپ کا ہر جی پسند داشت
 گھر ہنر و کانا خلف نے لیا
 فاتح ہو کہاں سے میت کی
 ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ
 خاک کرمان گور و خلیش و تبار
 واعطو دین کا خد احاطہ
 قوم ہے پرستے دین بکیں ہے
 ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھو کر حریف
 تیرے چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
 کیوں ہیں میت پہ نوحہ گردارث

بھید و اعظا اپنا کھلوایا عبث
 جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
 شیخ زندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز
 کوئی سنجھی آکے اب پھٹتا نہیں
 آنکھتے تھے کبھی مسجد میں ہم
 دل جلوں کو تو نے گریا عبث
 رات بہ راتوں کو چھوایا عبث
 سب کو ملزم تو نے ٹھیرایا عبث
 آپ نے جال اپنا پھیلا یا عبث
 تو نے زہر ہم کو شربایا عبث

مکتبیاں جل کر ہوئیں یاروں کی خاک
 قوم کا حالی پینا ہے محال
 ابرہے گھر کو ادھر آیا عبث
 تم نے رد و سب کو رد کیا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
 بول کر ہنسنے منہ کی کھائی آج
 چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
 بات بگڑی بنی بنائی آج
 شکوہ کرنے کی خونہ تھی اپنی
 پر طبیعت ہی کچھ بھڑائی آج
 بزم ساتی نے دی الٹ ساری
 خوب بھر بھر کے خم لٹہائی آج
 معصیت پر بے دیر سے یارب
 قطعہ لفس اور شرع میں لٹائی آج
 غالب آتا ہو لفس دوں یا شرع
 ۲ دیکھنی ہے تری خدائی آج
 چور ہے دلیں کچھ نہ کچھ یارو
 نیند پھر رات بھر نہ آئی آج
 کل یہاں کاروبار ہیں سب بند
 کر لو کرتی ہے جو کمائی آج
 زو سے الفت کی بیج کے چلنا تھا

مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوراں ہیں سب شکوہ سنج
 یہ بھی ہو یاروں کی رنجوں میں رنج
 رنج و شادی یاں ہیں سب بے ثبات
 اور اگر سوچو تو شادی ہونے رنج
 تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ
 پر ہمیں بے وقت ہاتھ آیا یہ رنج
 فکر و سن ٹہرتے تھے شاید ساتھ ساتھ
 ہیں وہ اب پیجاہ جو پہلے تھے سنج
 ہکو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
 جب کبھی جیتے تھے ہم اسے بذلہ سنج
 آگئی مرگِ طبعی ہکو یاد
 شاخ سے دیکھا جو خود گرتا رنج

راد اب سیدھی ہے حالی سودوست

ہو چکے سب جسم و پیچ و شکنج

بزمِ اچھی ہے گو دنیا ہے اے میواری بیچ
 یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھر بار بیچ
 نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
 ایک دشمن بر سر کہیں ہو تو ہیں سب بار بیچ
 شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
 ہی یہ سب اونچی دکان اور رونق بازار بیچ
 شاہد معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
 سحر و سجادہ بیچ اور جبہ و دستار بیچ
 ہو کر جتے جقدر اتنے برستے تم نہیں
 اے فصیح! ہے یہ سب گفتار بے کردار بیچ
 روئی تو آٹھ آٹھ آنسو ادب پیچا دل نہ ایک
 نکلے موتی تیرے سب ادب چشم گوہر بار بیچ
 خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
 کر دیے آفاق کے سب ان و خواں سالار بیچ
 ہے ادبِ سند پہ - جو کچھ ہے رئیسِ شہر کا
 ہٹ کے مندر سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار بیچ
 گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے بیچ
 کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی بڑے چار بیچ
 کاٹئے دن زندگی کے ان یگانوں کی طرح

جو سدا رہتے ہیں چوکس پاس بانوں کی طرح
 منزل دنیا میں پاؤں کا پتھر آٹھوں پہر
 رہتے ہیں وہاں سر میں میمانوں کی طرح
 سچی سے اکتاتے اور محنت سے کنیا تے نہیں
 جھیلے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
 رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرمانروا
 نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
 شادمانی میں گذرتے اپنے آپ سے نہیں
 غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
 رکھتے ہیں تمکین جوانی میں بڑھاپے سے سوا
 رہتے ہیں جو پخال پیری میں جوانوں کی طرح
 پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
 پر بھلا سکتے ہیں ایک اک کا بچانوں کی طرح
 اس کھیتی کے پنبے کی انھیں ہو یا نہ ہو
 ہیں اسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
 ان کے غصے میں ہے دوسری ملامت میں ہو پیار
 ہر بانی کرتے ہیں نامہ زبانوں کی طرح
 کام سے کام اپنے ان کو - گو ہو عالم نکستہ چین
 رہتے ہیں بقیں دانوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سن سن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
 دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

یکجے کیا حالی - نہ نیچے ساو کی گرا اختیار
 ہلسا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مے مغاں کا ہر چمکا اگر ہوا ہے شیخ تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور دے لگا ای شیخ
 ریا کو صدق ہے ہر جام مے بدل دیتا تھیں بھی ہو کوئی یا و ایسی کیا ہے شیخ
 وہ سکھ بھان تی جو بناتے تھے اکیر تماشے دیکھے ہیں یہ ہنسنے بار ہا ہے شیخ
 غور فقر و غرور غنا میں منسوق ہو کیا؟ بھٹی یہ رکھتے ہیں ہم منھسرتا ہے شیخ؟
 زباں پر ہوتی ہر مہر انکی جو میں محرم راز پھر ایسا کیجیو ہر گز نہ ادا ہے شیخ
 خبر بھی ہو تھیں؟ کیا بن رہی ہو بیڑے پر قطعہ ہیں آپ جون بیڑے کو ناخدا ہے شیخ؟
 وہ ڈو بتوں سے الگ تھے ہیں تیرا اک ۲ شادری کا ہی گریو - مرجا ہے شیخ
 گوزن و گور میں بچپن سے تارک دنیا نہایت آپکی ہو - اُن کی ابتدا ہے شیخ
 کمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
 پہ خالقاد سے انس و دل گیا ہے شیخ!

د

شادی کے بعد غم ہے فقیر ہی غنا کے بعد اب خوف کو سوا ہو دھرا کیا جا کے بعد
 ہو سامنا بلا کا پس از عاقبت کی توقع بلا کے بعد
 تفریر مجرم عشق ہے بے صرف و محاسب بڑھتا ہے اور ذوق گنہ یاں سزا کے بعد
 گرد و دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا آتی ہو دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
 یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
 کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
 آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ سر تیرا بھی حکم کم نہیں حکم قضا کے بعد

دُست سے تھی دُعا کہ "ہوں بدنام شہر شہر" بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش

دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہی رہا اے زاہد

نیرا قبلہ ہے جد امیر جد اے زاہد

درگزر گرہنیں کرتا وہ گنہگاروں سے

توڑا اور کوئی ہو گا خدا اے زاہد

ہم دکھا دیں گے کہ زہد اور ہے نیکی کچھ اور

کچھ بہت دُور نہیں روزِ جزا اے زاہد

قرب حق کے لئے کچھ سوزِ نہاں بھی ہی ضرور

خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بجلا اے زاہد

میں تو توبہ باریموں دل نہیں بٹا تم سے

تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد

جال جینک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا

نکر دُنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیبِ حالی کے بہت آج کئے تو نے بیان

ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

و

پیا س تیری بُوے ساغر سے لذت بلکہ جامِ آبِ کوثر سے لذت

جس کا تو قاتل ہو پھر اس کے لئے کونسی نعمت ہے خنجر سے لذت

لطیف ہو تیری طرف سے یا عتاب بہکو ہے سب شہد و شکر سے لذت

قند سے شیریں تر ہی پہلی نگاہ
 جھانچ میں جس بھوک کی بھوسے نہ تو
 دوسری قند کر سے لذیذ
 بھوک ہے وہ شیر باد سے لذیذ
 ہوئے پید مشک و عنبر سے لذیذ
 ان کو فائے ہیں مفر عفر سے لذیذ
 جو قناعت کے ہیں حالی مہسان

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پر
 رہیں نا آشنا زمانہ سے
 وہی اصرار ہے خطاؤں پر
 حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر
 رہی کا ہے رہناؤں پر
 مرے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
 اڑتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
 وقف ہے یاں برہنہ پاؤں پر
 مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
 داہروں پر نہ پارساؤں پر
 نہیں محدود بخششیں تیری

حق سے درخواست عفو کی حالی

کیجے کس منعم سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں تو تو طرح سے جلوہ گر
 جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار
 ایک ہوتا ہے اگر ہم میں بہتر
 عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
 گو بظاہر سب ہیں شیر و شکر
 گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر و سر
 خصلتیں دیواہ کی رکھتے ہیں ہم
 اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین
 کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب
 کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر

گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم
 کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی
 ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب
 عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو
 خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں
 بنتے ہوں یاروں کے ناصح تاکہ ہو
 دوست اک عالم کے پر مطلب کو دست
 ایسے یاروں کے حذر یاد و حذر

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہے کون

خواہش تھیں ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدر جان کی قربان کئے بغیر
 کہ ہوشیاری سے پاس پہ جب تک ہر دم میں دم
 بگڑی ہوئی بہت ہو کچھ اس باغ کی ہوا
 آمادہ دہر پر وہ درمی پر ہے قوم کی
 عزت سے اپنی یاروں کو کچھ آڑی ہو ضد
 مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام
 گوئے ہی تند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا
 تکلیف جو کہ کرتے ہیں اپنا سے وقت کی
 دام اٹھیں گے نہ جس کے ارزاں کئے بغیر
 بن آسے گی نہ درد کا درماں کئے بغیر
 یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کئے بغیر
 مہر دس کو رہے گا نہ عریاں کئے بغیر
 چھوڑینگے نیچاں کو نہ بیجاں کئے بغیر
 مشکل کو ہم ٹھیکیں گے نہ آساں کئے بغیر
 اسے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کئے بغیر
 چھوڑے گا وقت انھیں نہ مسلمان کئے بغیر

حالی کئے گا کاٹنے ہی سے یہ پستون

حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

گھر ہے وحشت خیز اور بستی آجاڑ ہوگی ایک ایک ٹھٹھری تجھ بن پساڑ

آج تک قصراٹل ہے نامتاسام
 بند چکی ہے بارہا کھل کھل کے پاڑ
 ہے پونچنا اپنا چنی ٹکٹ محال
 اسے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ
 کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار
 پر نہیں زاد کوئی ٹٹی کی آڑ
 دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے
 سوشتاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
 عید اور نور دڑتے سب دل کے ساتھ
 دل نہیں حاضر تو دینا ہے اُجاڑ
 کھیت رستے پر ہے اور رہرو سوار
 کشت ہے سرسبز ادیر نیچی ہے بار
 بات واعظ کی کوئی پکڑ سی گئی
 ان دلوں کتر ہے کچھ ہم پر لٹاڑ
 تم نے حالی کھول کر ناعق زبان
 کر لیا ساری حذائی سے بگاڑ

عہد وصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز
 عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز
 پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز
 جھونکا نیم مصر کا آیا نہیں ہنوز
 لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں ہیں
 ہم جسکو ڈھونڈتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
 آیا ہنوگا اس کو غافل میں کچھ مزا
 ذوق نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
 امین میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا
 اس نے نقاب رخ سے اٹھایا نہیں ہنوز
 یاں دے چکی جواب امید جواب خط
 داں نامہ برنے بار بھی پایا نہیں ہنوز
 پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا
 کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
 کیا دل سے بدمرگ بھی جاتی نہ تیری یاد
 بھولے ہیں کہ تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز
 سر پایہ خلاف دو عالم ہے راز دل
 باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز
 کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اسقدر
 حالی نے جامِ مُنہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم سچ میں نہ جانا ہرگز
 عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر باز دل کی
 زل کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی
 چاہت اک طلعتِ مکر وہ ہر برق میں نہاں
 ہاتھ ملنے ہنوں پیری میں اگر حسرت سے
 جتنے رمنے تھے تری ہو گئے دیراں عشق
 کوچ سب کر گئے ولی سے ترے قدر شناس
 تذکرہ دہلی مرعوم کا اے دوست شہید
 داستان گل کی خزاں میں سنا اے بلبل
 ڈھونڈتا ہوں دل شوریدہ بہانے مطرب
 صحبتیں اگلی بھور میں یاد آئیں گی
 موجوں دلیں ہیں۔ یا جان کو دیا اچھم
 لیکے داغ آئینہ سینے پہ بہت اے تیغ
 چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر بکتا بہ خاک
 مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی بہت
 وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی بھول گئے
 جسکو زخموں کے حادثہ کے اچھوتا سمجھیں
 ہکو گرتے نہ لایا تو نہ لایا اے چرخ
 یا ر خود روئیں گے کیا آپہ جہاں روٹا ہے
 آخری دوز میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
 نخت سو ہیں بہت جاگ کی اے دوزخاں

دوست تو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
 دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
 دوز میں تیر صفِ مڑگاں کی نہ جانا ہرگز
 کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
 توجوانی میں نہ یہ روگ بسانا ہرگز
 آکے دیرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
 قدریاں رھ کے اپا پنی نہ گھوٹانا ہرگز
 نہ سنا جائیگا ہم سے یہ فسانا ہرگز
 ہنستے ہنستے ہیں ظالم نہ رلانا ہرگز
 درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
 کوئی دلچسپ موقع نہ دکھانا ہرگز
 دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
 دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
 دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزاں ہرگز
 اسے فلک اس کے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
 ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز
 نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرا نا ہرگز
 ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
 ان کی ہنستی ہڈی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
 بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
 نہ ابھی مین کے ماتوں کو جگانا ہرگز

یاس رخصت ہو سویر کہیں اور عیش و نشاط
 کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تھارا دلی
 شاعری مرعلی اب زندہ نہ ہوگی یارو
 غالب شیفہ و نیر و آرزو و ذوق
 مومن علومی و صہبائی و مہنوی کے بعد
 کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
 داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
 رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
 ہمیں اس درویش یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
 ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
 یاد کر کے اسے جی نہ کرنا حانا ہرگز
 اب دکھائے گاتھ تسکین نہ زانا ہرگز
 شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
 در نہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
 نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز
 اب نہ دیکھو گے کبھی نطفہ ثبانی ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
 یاں مناسب نہیں رورو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز
 عشق کی آنچ اُس میں پاتا ہوں
 شیخ! اللہ سے تیری عیاری
 اک پتے کی جوہنے کندی آج
 ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری
 آج منکر بھی تاج اٹھیں گے
 خیر ہے اے فلک کہ چار طرف ^{قطرہ} چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
 رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ^۲ ہیں دیگر گوں زمانہ کے انداز
 ہوتے جاتے ہیں زور منہ ضعیف ^۳ بنتے جاتے ہیں منزل مستاز

لے یہ قطرہ اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ ترکی کو سلطان عبدالعزیز خاں کے قتل کے بعد سرحد پر ٹانگو
 اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہنچا۔ ۱۲

چھتے پھرتے ہیں کیکٹیتوں سے ۴ گھوللوں میں عقاب اور شہباز
 ہے ہنٹوں کو درگزر میں خط ۵ رہنروں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
 ریلوں کا ہر کھیتوں پہ ہجوم ۶ بھٹیوں کے میں خون میں تریب آرز
 ناتوانوں پہ گدہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں ہنیر تیر انداز
 تشہ خون میں بھوکے شیروں کے ۸ جیلہ گروہوں کے عشوہ ناز
 دشمنوں کے میں دست خود جاسو ۹ اور یادوں کے یار ہیں غماز
 ہوگا انجسام دیکھے کیا کچھ ۱۰ اسے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
 نے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
 وقت نازک ہے اپنے پیرے پر ۱۲ موج ہائل ہے اور ہوانا ساز
 یا تھپڑے ہوا کے لے آجبرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں دُب جہاز
 کام اُسے اپنے سوئے دھالی ۱۴ نہیں جس کا شریک اور اس ساز
 ہودہ مالک ڈبوئے خواہ تر اسے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیسِ عصیاں اپنے پاس
 رہتے ہیں عاصی کمنہ ضیہ عفران اپنے پاس
 عاجزوں سے مقدر کرتے ہیں اکثر درگزر
 عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضواں اپنے پاس
 ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمانِ سلطان اپنے پاس
 بامِ بتلایا بلند اور نارسا بختی کشد
 رہتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں بہنے ملا رکھی ہے اک سیر اپنی آپ
 در نہ ہے ہر درد کا موجود در ماں اپنے پاس
 دست برد اہرن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
 ہے بھرا شد وہ مسر کیلماں اپنے پاس
 دیکھنا حالی نہ دینا وضع فطرت کو بدل
 ہے یہ دشا ویز استخلاف رحاں اپنے پاس

چھڑا اب نہ اے تصور مرگان یار بس کافی ہے خار غم روزگار بس
 یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے غمخواری اپنی رہنے دے غم گلار بس
 ہر داغ فصل گل کی نشانی ہے اے صبا گلگشت کو بہت ہے دل داغدار بس
 ڈر ہے دلوں کے ساتھ اشدیں بھی پس بجائیں اے آبیائے گردش لیل دہنار بس
 دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ یاں دشمنی کے اسطے کافی ہیں یار بس
 آتا نہیں نظر کہ ہو یہ رات اب سحر کی میند کیوں حرام بس اے انتظار بس
 تھوڑی سی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
 حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اک ہم کو ہم برسر ایام ہے در پیش بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے در پیش
 عقلت ہے کہ گھیرے ہو ہے چار طرف سے اور معرکہ گردش ایام ہے در پیش
 وہ دن گئے جب تمام صبح کا آغاز اب اس مریض صبح کا انجام ہے در پیش
 گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت پر صبح تو جوں کی اب شام ہے در پیش
 وہ وقت گیا۔ نشہ تھاروں پہ جب اپنا اب وقت خمارے گلنام ہے در پیش
 امید فنا کا تو جواب آہی چکا ہے اب موت کا سنا ہمیں پیغام ہے در پیش

جی اس کا کسی کام میں لگتا نہیں نہ ہمار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے اسکی مختص ہیں عطائیں خاص خاص
ہر مرض کو اس میں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زال دنیا سے ۔ مگر

رہن دل میں ابھی اس کی ادائیں خاص خاص
گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل

یاد میں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص
نہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب

وقت میں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص
یوں تو ہے امید ب کچھ ۔ پر نہوں شاید معاف

دہ جو کی ہیں ہم نے اسے حالی خطائیں خاص خاص
درو۔ اور درو کی ہر سب کے دوا۔ ایک ہی شخص

یاں ہے جلا و میخانجہ ایک ہی شخص
عور و غلمان کے لئے لائیں دل آخر کس کا

ہونے دیتا نہیں یاں عمدہ بر آ ایک ہی شخص
قافلے گذریں وہاں کیونکہ سلامت و اعظ

ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص
قیس سا پھر کوئی اٹھانہ بنی عام میں

فخر ہوتا ہے گہرا نے کا سد ایک ہی شخص

جھٹھے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان گھونٹ
 آج ویسا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص
 گھر میں برکت ہو۔ مگر فیض ہو جاری شب روز
 کچھ سہی شیخ۔ مگر ہے بخدا ایک ہی شخص
 اعتراضوں کا زمانہ کے ہو حالی پہنچو ٹ
 شاعر اب ساری خلای میں ہو کیا ایک ہی شخص
 ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض
 دل میں ہے اسے خضر گر صدق طلب
 چرخ گرداں کو سکون سے کیا غرض
 راہرو کو رہنوں سے کیا غرض
 گھر کے محراب دستوں سے کیا غرض
 ان کو چنگ و آغزوں سے کیا غرض
 ہم کو تفتیش دروں سے کیا غرض
 انگو اپنے اشک خوں سے کیا غرض
 عشق سے ہے مجتنب زاہد عبت
 کر چکا جب شیخ تخییر قلوب
 اب اسے دنیائے دوس سے کیا غرض

آئے ہو حالی پہ تسلیم یاں
 آپ کو چون دچگون سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض
 چاہئے ایک سب کا ہو مقصود
 دوستوں ہی کا کام ہے اغراض
 گو ہوں سب کے جدا جدا اعراض
 کھو دیے ایک دکھ نے سب امراض
 اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
 دیکھے تو بھی خوش ہے یا ناغوش

کلا ابائی بان گھا بنی
 مشہور بدل خیر میں یہ دیر
 کل تاس و انت عین راض
 حق میں اپنوں کے سخت ممکن ہیں
 اپنا مطلب اور اس پر تورا غماض
 رائے ہے کچھ علیل ہی تیری
 جو کہ ادبوں کے حق میں فیاض
 وعظ میں گل کترتے ہیں واعظ
 نبض اپنی بھی دیکھ اے نباض
 ہر فقیہوں میں اور ہم میں نزاع
 مٹھ میں نئے زباں ہر یا مقرر
 ہل کتا فی نزاعنا میں قاض
 ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد
 خاکش تجھ سے ہے سو امراض
 شیخ کی بھی یہ آخری تلقین
 چاہئے زرتواس کر اعراض

ایسی غزلیں سنی نہ عقین حالی
 یہ بنگالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دور نشاط
 طے ہوئی بس اب کوئی دم ملیا
 دل خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر
 نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دن اب ایدل منتقبض رہنے کو ہیں
 ہو چکا ہوتا تھا جو کچھ انبساط
 فحیمہ چٹکا اور آہو بھی خزاں
 فصل گل کی بھی فقط اتنی بساط
 زمینہ منبر ہے لغزش کی جگہ
 چائو واعظ اسے راہ صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ
 ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط
 گوئی کی حالی کر دتیا ریاں
 ہے تو ہی میں دبم اب اعطاط

ط

چھپے ہیں حرفیوں میں احسار واعظ

بُرا کہ نہ زندوں کو زہن ساز و اعظ
 سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر
 نہ ستار ہے تو نہ غفار و اعظ
 بکل آئے گی میکشی کی بھی حلیت
 کوئی مل گیا اگر ہمیں یار و اعظ
 کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن
 ستار ہے کہ ہوتے ہیں عیار و اعظ
 نہیں اور بھی تہہ سے کرتے ہیں بدن
 یہ جیہ۔ یہ ریش اور یہ دستار و اعظ
 نہ چوڑے گا زور گھسروں میں نہ زور تو
 یہی ہے اگر حسن گفتار و اعظ
 مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کہتے
 ہوئے بات کہہ کر گنکار و اعظ

ع

اے بہار زندگانی الوداع اے شبابی شادمانی الوداع
 اے بیاض صبح پیری السلام اے شب قدر جوانی الوداع
 السلام اے قاصد ملک بقا الوداع اے عمر فانی الوداع
 روزگار ضعف و سستی الصلا وقت سعی و جہا نفسانی الوداع
 فرصت عشق و جوانی الفراق دور عیش و کامرانی الوداع
 تجھ کو سمجھتے تھے نعیم جاوداں ۲ اے نعیم جاودانی الوداع
 تیرے جاتے ہی گئیں سچ بیاں ۳ اے خدا کی مہربانی الوداع

آگ کا حالی کنارے پر جہاں

الوداع اسے زندگانی الوداع

ع

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ
دیکھ اس خرام ناز پہ اتنا نہ کر داغ
ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں

حلے سے یاں اجل کے نہیں ایک دم فراغ

یار بے نگاہ بد سے چہن کو چپائیو
نبیل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ
دو چار گام نقش قدم بل کے رہ گئے

آگے چلا نہ آہوے مشکلیں کا کچھ سراغ

آئیں پسین وہ شوق سے جو اہل طرف ہوں
ساتی بھرے کھڑا ہے تے لعل سے آیاغ
جنگل میں تخت رگل خود رو کو ویکسکر

تا دہوا زمانہ کی نافذریوں کا داغ

حالی بھی پڑنے آئے تھے کچھ ہم شعر میں

باری تب اُن کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملا نہ کچھ بتایا صاف	اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
آگ کا اپنی ہی جب تلک نہ کھلی	میر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی روشن سے بھی نہ لکھ سکے ہم	صاف تو آپ سب کو پایا صاف

زاہد ہم تو تھے ہی آلودہ شکو بھی ہنہ کچھ نہ پایا صاف
 کیوں نصیحتوں سے رک گئے حالی
 بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ف

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لایق نہ اپنا کلبہ احزاں ہی یار کے لایق
 کرے کیا کیا ترا کھل الجوا ہر اسے کمال نہیں یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لایق
 مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ بہت ہی زبانی ستار کے لایق
 غرور و حرص میں زیور عروس دنیا کے بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لایق
 کرے گی یاد بہار آ کے اب کسی سہنبر رہا نہ باغ قدوم بہار کے لایق
 بس اب ہے فضلہ رو باہر گرگ پر گزرا رہا نہ شیر زیاں خود شکار کے لایق
 گنہ کا عذر کریں محاسب ہم آنکھوں سے ہمارے جرم ہوں گرا عتدار کے لایق
 گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہی حالی تھیں تو شہر میں ہوا اعتبار کے لایق
 یہ ہنہ مانا کہ تم میں سہنبر بھی ہیں کچھ مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لایق

ک

دلوں کا کوٹ اگر کہنے بر ملا ایک ایک تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
 سلامتی کو وہاں قافلوں کی روٹھیں جہاں ہی راہنہ خلق رہنا ایک ایک
 زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر بنا ہو عویش زماں آجکل گدا ایک ایک
 رہا ہوں رہندہ بھی اسویش پارسا بھی میں مری نگاہ میں ہی رہندہ پارسا ایک ایک
 وفا کی ایک سچھی سے امید ہو اسوقت کہ یار یار سے ہو جائیگا جد ایک ایک
 چھپا کے اس سے قصہ اپنی بہت سر کا جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا ایک ایک
 ہوا نہ ایک بھی حق اسکی بندگی کا ادا کیا ہو جس کے حق خواجگی او ایک ایک

امیرِ حاکم کی تہت میں گرنے آئے قصور تو موجِ بحرِ کشتی کی ناخدا ایک ایک
 ہم کج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دفتر کو ورق جیسا اڑا لے گئی ہو ایک ایک
 بہار نے بھی نہ بلبل تری بھائی آگ جو کہے پانے اب بھی تری نوا ایک ایک
 وہ عشق ہو نہ جوانی۔ وہ تو ہوا اب نہ وہ ہم پہ دل پہ نقش ہو اب تک تری ادا ایک ایک
 نہ ہم رہیں گے نہ حالی۔ یہ پھر اش جہاں
 رہیگی حالی دلگدگی کی صدا ایک ایک

عالمِ آزاد گاہاں ہو اک جہاں سب سے الگ
 ہو زمین اُن کی اور اُن کا آسمان سب سے الگ
 پاک ہیں آلائشوں میں۔ بندشوں میں بے لگاؤ
 رہتے ہیں دُنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ
 دوست کے ہیں جہاں نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
 ہے عشیرہ اور اُن کا دُور ماں سب سے الگ
 سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
 ہم کوئی بھیدی اور اُن کا راز داناں سب سے الگ
 جانچتے آدروں کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان
 رکھتے ہیں اپنا طریق امتحان سب سے الگ
 اک چمن بہرِ تفریح رکھتے ہیں زیرِ بغل
 روحِ حیاتِ انُفوس میں جہاں سب سے الگ
 کلّیہ احزاں ہی روشن اُن کا جس مہتاب
 ہو وہ نورِ مہرِ ماہِ واکشاں سب سے الگ

سکڑوں چھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند
 پڑٹو لے کوئی دل اُن کا تو اس سب الگ
 شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھتے ہوئے
 درو مندوں کا ہے دُکھ اور بیاں سب الگ

ہاں ہے نایاب پرگاہک ہیں اکثر بے خبر
 شہر میں کھولی ہو حالی نے دکان سب الگ
 صلیح ہو اک مہلت سا مان جنگ کرتے ہیں بھرتے کو یاں خالی تنگ
 عہد گیتی پر نہ پھولیں کامراں آخر اسکی آشتی لائے گی رنگ
 علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا؟ سب شیر کے مار رکھنے کے ہیں تنگ
 رو گئے بد خو کو بد خوئی سے کیوں آپ اپنی خوش سے آجائے گاتنگ
 زہر و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ یہ بھی ہو اک نوجوانی کی ترنگ
 پاکبازوں کو نہیں کچھ قید و منع جو ہیں اچھو آن پہ سب بھلتے ہیں رنگ
 کام کا شاید زمانہ ہو چکا دل میں اب اٹھتی نہیں کوئی آئنگ
 وہ عجایب اب نظر آتے ہیں کھیل دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھو رنگ
 کاشوں سے پرورش پاتی ہو روح اب لگا کھایا پیا سب آکے انگ
 عقل شاید ملک میں باقی ہو کچھ ہو ابھی کم حاصل فیون و رنگ
 بڑھ گیا ہے جسم انسانی بہت ہو گی ایجاد اب نئی توپ اور تنگ

نوم کو حالی نہیں اس اتفاق
 پھوٹ ہی کا بس گلے گا ہبہ رنگ

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل یا زمانہ ہی گیا یارب بدل؟

رہ گئے ہیں کچھ کچھ اٹار سلف
 اور ابھی ہوتا ہے شاید مبتذل
 اک منہ جلتے ہم نظر آتے نہیں
 در نہ گر کر گئے لاکھوں سنبھل
 کب تک آخر ٹھہر سکتا ہو وہ گھر
 آگیا دنیا میں جس کی خصل
 ناؤ ڈوبے یا کہیں کھو اہو پار
 تیری جد بھی ہے کچھ اسے طول آمل
 اب لگاؤ پود کچھ اپنی ہی
 لپکے پودے بہت انگلوں کے پھل
 دیکھے بھتا ہے کب تک پاس دفع
 ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل
 کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
 وقت کوشش کا گیا شاید نکل
 اب سنا حالی کے زعمے عمر بھر
 ہو چکا ہنگامہ مدح و عناد

مدرسہ میں دہر کے رُوبرُف تھا بیٹھے تھے ہم
 اُسٹے بس لیے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عیشہ ہمیں کافر کے لوٹ
 زائل دُنیا سے ابھی ہو کر خراب بیٹھے تھے ہم
 صحبتیں اہل دُور کی سب گئیں نظروں سے گر
 بزم رنداں میں یونہی اک روز جا بیٹھے تھے ہم
 شیخ! دُنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھلی
 ورنہ دھوکا - دور سے دیکھ اسکو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ داغ و زشتِ نونی سے تری
 آدمی بچہ کو بچہ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
 سچی کا اُشام پہلے ہی سے آتا تھا نظر

ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اٹھایٹھے تھے ہم
 مجھے خود دنیا ہی پیانی نہ حالی فرمیاں
 دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم
 خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
 پر ہر اک خوبی میں داغ اک عیب کا پاتے ہیں ہم
 خوف کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
 گو کہ دل میں متصل خوف خدا پاتے ہیں ہم
 کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
 پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
 گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 دل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
 پر اسے آلودہ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم
 ہر کے نادمِ جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
 جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم
 ہیں فلاں دستوں پر جنہیں ہر صدق و صفا
 پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
 گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خطا
 اک جاں سے آپ کو لیکن خطا پاتے ہیں ہم
 جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مروت و نسا
 اپنے میں گر شتمہ مروت و نسا پاتے ہیں ہم

بخت سے مشوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
 گر کبھی تو فریقِ ایشا رو عطا پاتے ہیں ہم
 ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
 درودِ خود کامی کو لے سکیں بلے واپاستے ہیں ہم
 ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشمِ عالم میں بچلے
 حالِ نفسِ دُور کا اتنا ہی سہا پاتے ہیں ہم
 جقدر جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگ و خرد سے
 کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سہا پاتے ہیں ہم
 گو بھلائی کر کے ہنسنوں سے خوش ہوتا ہو گی
 تہ نشین اس میں مگر دُورِ دُورِ پاتے ہیں ہم
 ہے ردا کے بیکنامی دوش پر اپنے - مگر
 داغِ رسوائی کے کچھ زیرِ ردا پاتے ہیں ہم
 راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں قدم
 دیکھے کیا ڈھونڈتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم
 نور کے ہننے گلے دیکھے ہیں اسی حالی - مگر
 رنگ کچھ تیری الاپوں میں بنیا پاتے ہیں ہم
 آگے بڑھے نہ قصہ عشقِ بیاں سے ہم
 اب بھاگتے ہیں سایہ عشقِ بیاں سے ہم
 خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہیں
 آئے ہیں آج آپ میں یارب کہاں ہم
 دردِ فراق و رشکِ عود تک گراں نہیں
 تنگ گئے ہیں اپنے دلِ شادمان سے ہم
 جنت میں تو نہیں اگر اسے نہ نغمِ شمعِ عشق
 دلیہر گئے تھو گزشتگی جا و دار سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اسے منکر و مکیسہ آئے ہیں آج چھوٹ کے فیہر گراں سے ہم
 پہنتے ہیں اس کے گریہ بے اختیار پر جھوٹے ہیں بات کہہ کے کوئی راز داس ہم
 اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو کچھ پاگئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم
 دلکش ہر ایک قطعہ صحرا ہے راہ میں ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کار و اس ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ؟
 پوچھیں گے جا کے حالی جا دو بیاں سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالی اب سرگز انیاں ہیں
 نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
 یاد اس کی دل سے دھوے اچھٹم تر تو مانوں
 اب دیکھنی مجھے بھی تیری روانیاں ہیں
 بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی
 الفت کی بھی جاں میں کیا حُکرا نیاں ہیں
 غیبت ہو یا حضور ہی دو نو بُری ہیں تیری
 جب یہ گمانیاں تھیں اب بد زبانیوں ہیں
 کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہو تیری
 سب واعظوں کی باقی رنگین بیانیاں ہیں
 رحمت تری غذا ہے غصہ تر ادوا ہے
 شائیں ہیں تیری جتنی جانِ جامیناں ہیں
 ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخِ مہرباں تو
 کچھ ان دنوں تو ہم پر نامربانیاں ہیں

اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم
 بے غیرتی کی یارو اب زندگانیوں میں
 روتے ہیں چار ہمبر بنے ہیں چار ہمبر
 یاں تک ہماری پہونچی اب ناتوانیاں ہیں
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش
 حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
 خاور سے باختر تک جن کے نشان تھے برپا
 کچھ مقبروں میں باقی ان کی نشانیاں ہیں
 دیکھا نہیں ابھی کچھ خطا الرجال تم نے
 اس سے بھی سخت آتی آگے گرائیاں ہیں
 کھیتوں کو دے لو پانی اب جہ رہی ہے گنگا
 کچھ کر لو جو انوار ٹھہتی جو انیاں ہیں
 فضل و ہنرمندوں کے گرتے ہیں تو جاہیں
 گریہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
 رونے میں تیرے حالی لذت ہو کچھ نرالی
 یہ خوں نشانیاں ہیں یا گل نشانیاں ہیں
 جب سے سنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
 اب نہ سنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں
 کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسائش کو
 کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا جھان ہیں
 چل کے نئی اک چال فلک نے کھو دیے ہوش حریفوں کے

زو سے بچیں یا نات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہیں
 پاس اُنھیں گرا پنا دراہو۔ جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
 کرتے ہیں خود نامنصفیاں اور کہتے ہیں نافرمان ہمیں
 واد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
 بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ چچان ہمیں
 صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھر تاتھا
 دیکھ کے اُس کو سارے تمھارے آگے یاد احسان ہیں
 یاں تو بدولت زہر و دُورع کے بچھ گئی خاصی غرت سی
 بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہیں
 ستر تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
 غل تو بہت یاروں نے مچایا پڑ گئے اکثر ان ہیں
 غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
 بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہیں
 کی تو ہیں جنے بھی حالی کوچ کی تیاریاں
 سو جیتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
 خوابِ راحت میں لذت تیرا دوسری نہیں
 جو جوانی میں مزادیتی تھیں شب بیداریاں
 ہیں اگر بیدیاں ہونگی دل کو ناگوار
 ناگواراں سو خواہیوں کی ہیں غمخواریاں
 ہو کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی
 سب کو کرنی ہوگی پوری اپنی اپنی باریاں
 زلیست بیعتوں کو ہو جا بس کرنی چال
 اتنی بھی ایو عاقلو اچھی نہیں شہیاریاں
 بے فرہ ہوا ہوں کی ترش روئی بھی مگر
 اس پھیل ابل دنیا کی پر ظاہر داریاں
 گویا بیت سے گئے سب ماوسے فاسد مکمل
 کم ہو میں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

رازِ دل کی سرِ بازِ خبر کرتے ہیں عقل کی بات کوئی ہمنے کبھی ہو شاید
جُرمِ خالق سے سزا پاتے ہیں جُرمِ فقہا کم سے کم وعظ میں اتنا تاثر ہو واعظ! زہد و طاعت کا سہارا نہیں جبکے زاہد
عیب یہ ہے کہ کرو عیب بہتر دکھلاؤ غم و رنج و مصیبت پہ کروناز کہ وہ
جی رکاوٹ سے جو انکی کبھی کج جاتا ہو اک یہاں جینے سے میرا رہیں ہیں یا رب
ظنِ انِ نیست کی توڑی ہی رہی ہیں باقی یقین و از کایاں پیٹ تو بھرنا معلوم
آج ہم شہر میں خون اپنا ہر کرتے ہیں جنتی جتنے ہیں سب ہم سے خد کرتے ہیں
جب کہ ہم اپنے جرائم پہ نظر کرتے ہیں بول تو ال کے جو دلیس اثر کرتے ہیں
یاد انا لکھم آٹھ ہر کرتے ہیں در نہ یاں عیب تو سب فرد بشر کرتے ہیں
دل دکھاتے ہیں ہی کہیں گھر کرتے ہیں اک لگاؤ میں ادھر سو ادھر کرتے ہیں
یا اسی طرح سب عمر کبر کرتے ہیں یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
بس ہماری ہی طرح وہ بھی گذر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
کی نصیحت بڑی طرح ناصح کی نصیحت بڑی طرح ناصح
ہونہ مینا تو فسق پھر کیا ہو ہونہ مینا تو فسق پھر کیا ہو
بقدم دم ہیں خانقاہوں میں بقدم دم ہیں خانقاہوں میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ پینر دین اور فقر تھے کبھی کچھ پینر
نہو تھے میں جب عنانِ فرس نہو تھے میں جب عنانِ فرس
جس سے نفرت ہو اہلِ نعمت کو جس سے نفرت ہو اہلِ نعمت کو
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان

جانور آدمی - فرشتہ - خدا آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں سا
 آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت دیکھے ہو بگاڑ کس کس میں
 کی ہے خلوت پسند حالی نے
 اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

بواہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں ہیں نے ناب کے دلال - قح خوار نہیں
 شہر میں ان کے نہیں جنس وفا کی بکری بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں
 کون سے وہ گل رعنا پہ نواسنج نہیں؟ کون سی رگس شہلا کے وہ بیمار نہیں؟
 کبھی لیلیٰ پہ ہیں مفتوں کبھی شیریں پہ فدا اور جو پھر دیکھو تو دونوں سے سروکار نہیں
 اٹھ نہیں سکتی سزا جرم وفا کی ان سے دل پھٹا کر کہیں بٹتے وہ گنگار نہیں
 عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ اور جو ہوکیل کا کھٹکا بھی تو پھر بار نہیں
 نیت نیا واقعہ چکھے کا ہے لپکا ان کو در بدر جھانکتے پھرنے سے انھیں غار نہیں
 بواہوس - کام طلب - بندہ نفس - اہل ہوا ایک عالم ہو اسی رنگ میں دوچار نہیں
 دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا ان کے ان میں گفتار ہی گفتار ہے - کردار نہیں
 کہے حالی بھی اگر عاشق صادق ہوئیں
 کہد و دانش کہ صادق نہیں زہار نہیں

چھونکا ہے فصلِ گل نے صورت کے پھرچن میں
 اک حشر سا ہے برپا مرغانِ نعمتہ زن میں
 بلب کے آگ سی کچھ تن میں لگ رہی ہے
 بجلی گری فلک سے یا گل کھلا سپن میں
 بادِ صبا گئی چھونک کیا جانے کان میں کیا؟
 پھولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں

چپ ہے زبان سوسن حیراں ہے چشم ز گیس
 قدرت کا دیکھ جلوہ لسن و لسن میں
 ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 پڑنی ہے جان باقی بس سر و ناروں میں
 ہے عید اہل اسلام یا موسم بہاراں
 جنگل بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں
 منہ سے دھواں سا اٹھا۔ لیتے ہی نام اسلام
 بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
 پھر زخم پھوٹ نکلا۔ حالی نہ چھٹیر نا تھا
 فضل خنداں کا قصہ ذکر گل و سمن میں
 گور و چکے ہیں دکھڑا۔ سو بار قوم کا ہسم
 پر تازگی وہی ہے اس قصہ کہن میں
 وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی
 تم نے سنا بھی؟ اسپر کیا گزری انجمن میں
 پائین بزم بھی اب ملتی نہیں اسے جا
 رُوندن میں ہو وہ گلبن پھولا تھا جو چین میں
 رُونہ کی جون میں ہے مَرعوب اب وہ ملت
 تھی سہناک کل تک جوشیر کے بَرُن میں
 وہ دین گئے کہ حکمت تھی مستن میں کی

۱۵۔ یں کی نسبت حدیث میں آیا کہ "اَلْاِيْمَانُ يَمَانٌ اِحْكَمُهُ كَيْمَانَةٌ" یعنی ایمان جو توہین کا ہوا اور
 حکمت جو توہین کی ہو۔ اسی بنا پر میرزا قردا دانے اپنے فلسفہ کا نام حکمت یا نہ رکھا ہو۔ ۱۲

ہے اب بجائے حکمت خاک اڑ رہی مین میں
وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے

ہے کال موتیوں کا اب سرسبز عدن میں
قبرِ اولیس پہ ہے بس خراب قرن کو

زندہ اولیس کوئی باقی نہیں قرن میں
اس باغ کی خزاں نے کچھ خاک سی اڑادی

فصل بہار گویا آئی نہ تھی حسن میں
ڈالی نہ ہوگی آگے اے دورِ چرخ شاید

جواب کے تو نے ہل چل ڈالی ہے انجمن میں
فوج اور بہیر دونوں پھرتی ہیں بے سری سر

گویا امیر شکر مارا گیا ہے رن میں
خرد و بزرگ سائے ہیں بدحواس گویا

لٹنے کی قافلہ کے پہونچی خبرِ وطن میں
بھولی ہوئی ہیں اربین ہرنوں کی چوکی سب

جائیں کدھر کہ ہر سو دوں لگ ہی ہو بن میں
حالی بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی

مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں
نوکِ زباں نے تیری سینوں کو چھید ڈالا

ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہو زباں میں
ہو جستجو کہ خوب سے ہو خوب تر کہاں

اب ٹھرتی ہے دیکھے جا کر نظر کہاں؟
ہیں دورِ جامِ اول شب میں خود سی دھ

ہوتی ہو آج دیکھے ہم کو سحر کہاں

یارب اس اختلاط کا اجسام ہو چکے
 اک عمر چاہیے کہ گوارا ہویش عشق
 بس ہو چکا بیان کسل و رنج راہ کا
 کون و مکان ہو دل وحشی کنارہ گیر
 ہم جیسے رہے ہیں وہ ہی بات ہی کچھ اور
 عالم میں تجھ سے لاکھ سی تو مگر کہاں
 ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
 دل چاہتا ہو تو زباں میں اثر کہاں
 حالی نشاط لغتہ وے ڈھونڈتے ہو اب

آئے ہو وقت صبح رہی رات بھر کہاں
 پیانے نہ جام بے کدورت بزم دورائیں
 خزاں کی لیکے ہمراہ اگر پہنچے گلستاں میں
 نہیں کچھ مقرر دلتگی زلف پریشاں میں
 جودل چاہے تو اچھے اک غبار ڈوہچاں میں
 اگر چھوڑا کنہ جذبہ عشق زلیخا نے
 نہ رہنے دیگا حریف دنیا و لطف کنتاں میں
 بقور نے بجایا تیرے ذوق شادی و غم کو
 خوشی میں بھی نہیں مینا خوش آتما ایک حالت پر
 کہنا تک بھی نہ گھبرائے الٹی دروہچاں میں
 زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز
 نہ پوچھو تھے کیا دیکھا ہو جہنم زمنداں میں
 فلک سے جیتے ہی معلوم - ملنا کام دل اور خضر
 سوائے طول حسرت کیا دھرا ہو آہستاں میں
 نہ چھوڑے گی محبت یار سے ناکام عاشق کو
 نیم مصر کو آنا ہو اکدن بیت احزاں میں
 گل و لہریں تو کیا - فرقت میں جی تک ٹپٹ جاتا
 ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیر گلستاں میں
 بہت دن چاہیں دوست کو تاپہنچے زلیخا تک
 کل کر چاہ کنتاں ابھی رہنا ہو زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصت سیر جہاں اکدم
 رہی ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیا باں میں

اب وہ اگلا اس التفات نہیں جیسے چھو لے تھے اب وہ بات نہیں

مجھ کو تم سے برا عہد و وفا
 رنج کیا کیا پس ایک جان کے ساتھ
 یونہیں گزرے تو سہل ہو لیکن
 کوئی دلسوز ہو تو کیسے بیاں
 وزرہ وزرہ ہے منظر غور شہید
 جاگ اے آنکھ دن ہر کات نہیں
 تم کو مجھ سے پراثرات نہیں
 زندگی موت ہی حیات نہیں
 فرصت غم کو بھی ثبات نہیں
 سرسری دل کی واردات نہیں

قیس ہو کو بہن ہو یا حالی
 عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ مہنسی کھیل بھٹانا غم میں نہیں
 کھو دیا یا س نے ذوق خلش فکر وصال
 سہنے کی سیر چمن غور سے اے بکبل زار
 عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا
 غلب! صدق و صفایاں جو آئیں کے دم
 یاں بھی ہو کون و مکان سے دل وحشی آزاد
 ٹھیرے ٹھیرے دل یوں ہی ٹھہر جائے گا
 کس طرح اسکی لگاؤ کو بناوٹ سمجھوں
 دی ہو داغ طے کن آداب کی تکالیف نہ پوچھو
 آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے
 بفراری بھی سب امید ملاقات کے ساتھ
 چاکل میں ہو گئے جو کہ گریاں میں نہیں
 اک مزا تھا سو وہ اب کاوش پہاں میں نہیں
 بات چھتی ہوئی کوئی گل ریاں میں نہیں
 فتنہ دہر ہے جو سن وہ کناں میں نہیں
 مصلحت برعی صحبت زنداں میں نہیں
 جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں
 بات جو آج ہر وہ کل غم ہجران میں نہیں
 خط میں لکھا ہو وہ القاب عنوان میں نہیں
 ایسے الجھاؤ ترے کا کل چاں میں نہیں
 اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصا نہیں نہیں
 اب وہ اگلی سی درازی شب ہجران میں نہیں

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
 یہ تو آٹار کچھ اس مرد مسلمان میں نہیں

غم فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں
 شادی وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

خبر دئی کے لئے زشتی ہو بھی ہے ضرور
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
کل خرابات میں اک گوشہ کی آتی تھی جدا
حق ہو اس سے ادا اس کی وفا داری کا
دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کون سی راہ
ہونگے قابل وہ ابھی مطلع ثانی سنکر
جو تجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کچھ بہت امتزل مقصود کا پایا ہم نے
چشم بدور بہت پھرتے ہیں اعیار کے ساتھ
ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
مدلوں رشک نے اعیار سے ملنے نہ دیا
اصل مقصود کا ہر خیر میں ملتا ہے پتا
بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابل اظہار نہیں

دشت میں تھا خیال گل و یا سمن کہاں
ہے بندگی کے ساتھ یہاں فوق دید بھی
اہل طہریق جب کو سمجھتے ہیں زاو راہ
فصل خزاں کہیں میں ہو صیاد گھات میں
لاتا ہے دل کو وجد میں اک حرف آشنا
جی ڈھونڈتا ہے ہریم طرب میں انھیں مگر
لائی ہے بوئے انس نسیم چین کہاں
جائیکا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں
واں دخل دست برد کو ای راہزن کہاں
مرغ چین کو فرصت سیر سپہن کہاں
لیجائے ہم کو دیکھے ذوق سخن کہاں
وہ آئے انجن میں تو پھر آئین کہاں

دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا اب ہم کہاں ہو اے نشاطِ وطن کہاں
 کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمنِ آپ کے شکوے کو لے گیا ہے وہ بیدار دفن کہاں
 روکا بہت کل آپ کو حالی نے وہاں مگر
 جاتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کہاں

کہاں فکر میں اب وہ جولاہیاں وہ دریاے معنی کی طغیانیاں
 کہاں وہ طبیعت کی رنگینیاں وہ ہجومِ سخن میں بگلِ آتشیاں
 کہاں اب وہ جھلسے ہیں اجابت کے سخنِ سخنیاں اور سخنِ رانیات
 دکھائی جو نہیں دور گردن نے آنکھ گئے بھول ساری غزلِ خوانیاں
 جھکے بن زمانہ سے بنتی نہیں رگڑتی ہیں یہاں سب کو پیشانیاں
 لگے بڑھنے جب کہ ہوش و خرد تا لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
 بڑھاپے کی دانائی لے کر کوئی بدلے وہ بچپن کی نادانیاں
 اگر راست کوئی کی جرأت نہیں تو بھوٹی ہیں واعظ کی لسانیاں
 منادی نہیں ق کی کچھ دل لگی بہتیاں ہیں درکارِ قربانیاں
 گئے پھیل چپ چاپ گر نکلیں یہی شکلیں ہیں پھر آسانیاں
 ہونا پید جس ملک میں اتفاق ہیں آبادیاں وہاں کی دیرانیاں
 بہرینِ خرقہ پوش اب کوئی اور روپ یہ نکلیں تو ہیں جانی پھچپانیاں
 دہی لے گئے یہاں سے زاد سفر گئے بھاڑ جو اپنی ہمسانیاں
 لگاؤ نہ اس ویرانی سے دل عیاں اس کی ہیں سست پیمانیاں
 جو یہاں آج ہے جوشِ عیش و نشاط تو کل حسرتوں کی ہیں طغیانیاں
 پھر آرام برسوں نہیں یہاں نصیب اگر چار دن ہیں تن آسانیاں
 ”چمن ہے کہ ہے سیمائی نمود“ یہ کہتی ہیں نرگس کی حیرانیاں

۱۲ یہ قطعہ روس اور جاپان کی لڑائی کے زمانہ میں لکھا تھا۔

گل۔ اور زُبل پہ ہیں مہنس ہے کہ کے دن کی ہیں یہ خوش الحانیاں
 متاعِ وفا کا ہے دُنیا میں کال مگر گاہوں کی ہیں ارزا نیاں
 لگا دیتے ہیں اسکی قیمت میں جو شہنشاہیاں اور سلطانیات
 کھلونوں پہ مرتے ہیں سرھوڑ پھوڑ یہ داناؤں کی یہاں ہیں نادانیاں
 جھپٹتے ہیں مُردار کی پاکے بو یہ ہیں شیر مردوں کی جولانیاں
 بنی نزع کے دوست کرتے ہیں ہر بنی نزع پر آتش افشائیاں
 کیجے کے ٹکڑوں ہوتی ہیں یہاں سما چیل کوڑوں کی مہانیاں
 جہاں سوزیوں کا ہے گویا کہ نام جہانداریاں اور جہاں بانیان
 ڈبوتی ہیں آخر کو منجھدار میں یہ فرعونیاں اور ہامانیاں

محبت کا دُنیا کے حالی آمل

پشیمانیاں ہیں پشیمانیاں

کوئی محرم نہیں متاجہاں میں مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
 قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
 کوئی دن بواہوں بھی شاد ہو لیں دھرا کیا ہی اشارات نہاں میں
 کہیں انجام آپہنچا دُفس کا گھلا جاتا ہوں ابکے امتحاں میں
 مینا ہے لیجے جب نام اس کا بہت وسعت ہے میری اتساں میں
 دل پر درد سے کچھ کام لوں گا اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

مرے دلیں ہو۔ گو مجھے نہاں ہو مجھے بھی ڈھونڈھ لینا تم جہاں ہو

ق

ق

نہ چھڑوں تذکرہ وصلِ عدد کا
 اگر سب سے مبارک پرگراں ہو
 تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ
 مجھے اور جھوٹ کا تم پرگراں ہو
 بہت ہی قدر ہوں محفل میں تیری
 کہیں ناخواندہ تو بھی یہاں ہو
 مجھے ڈالائے سو وہم دگیاں میں
 بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
 کمرؤں پر ہمارے باندھ رکھے
 جسے سستی ہماری دستاں ہو

موت ہے بہت حالی ترا و عظم

کل اس کے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ میناں کا کہ جوانی نہ گنواؤ
 خیر کفارہ چھیاں ہے پو اور پلاؤ
 دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہی یہ دل
 وہ امیدیں میں نہ ارمان نہ انگلیں میں چاؤ
 یار کو یاد سمجھنا ہے نہ تو غیر کو غیب
 تو تو اچھا ہے مگر تیرے بڑے ہیں تیراؤ
 دوست ہوں جبکہ ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست
 سچ بتا چھکو کسی سے بھی ہو دنیا میں لگاؤ
 تو وہی برق جہاں سوز ہی بن خواہ نہ برق
 ہی برابر ترابے ساختہ پن اور بناؤ
 ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھوٹاتے ہو
 ناصحاب بھقیں دشمن کہیں یا دوست بناؤ
 ہو گیا ذکرِ قیامت تو احب میں اعظم
 باتیں کچھ اور کرو قصہ کو فی اور سناؤ
 تجھ کو اسے اب یاد رکھ کے جی چھوٹ گیا
 پہنچ اے خضر کہ ہر وقت مدد گاری کا
 ایک ہی بار تم اے بادلو! اس طرح نہ چھاؤ
 دیکھیں کس طرح نہ رہ سبز ہو پھر کشتِ امید
 ہو گئی ہے بہت تیرے سے منجد ہار میں تاؤ
 اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک
 آؤ اور دنیاں آج آنسو و نکی مل کے بہاؤ
 قافلے ساتھ کے جا پیچھے حرم کے لگ بھگ
 آجکل کیجئے کیا؟ ہر یہی بازار کا بھاؤ
 وقت اب ہاتھ سی جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

اس کے نالوں نے کیا نرم کو آخر بے لطف

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ
 ہر اک کو نہیں بتی یاں بھیک زاہد
 کچھ اور آؤ بکر تم اسے میر مرنا
 یہ بلبل تہی ہیں جو بیکار تے ہیں
 دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
 ہر افسردہ مجلس کی خست سو داغ
 تم اپنی سی کہنی تھی جو کہ چکے سب
 یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی صورت
 فقیروں کی جھولی میں ہر بے سب کچھ
 بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تبا کچھ
 بہن بچھتے ہاں حسب اور لب کچھ
 جنہیں کچھ خبر نہ وہ کہتے ہیں کب کچھ
 ہنس کر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
 وہ گر مایگا یہ پسچیں گے جب کچھ
 نہیں نا صحو اتم یہ الزام اب کچھ
 ٹوٹو تو بیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لکھ چوب تا کا ہے شاید

یہ حالی کی عزت نہیں بے سب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں بہت زیادہ
 تکلف علامت ہے بیگانگی کی
 کرو دو سنتو پہلے آپ اپنی عزت
 نکالو نہ رخنہ لب میں کسی کے
 کرو علم سے الکساب شرافت
 فراغت کو دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
 جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زبان سے
 مصیبت کا ایک اک سو احوال کہنا
 کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا
 پھر اردوں کی تکتے پھر دگے نہایت
 مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
 نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
 جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
 نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
 بجا بہت سے ہے یہ شرافت زیادہ
 اگر چاہتے ہو فراعنت زیادہ
 نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
 مصیبت سے ہی مصیبت زیادہ
 مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
 بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ

کہیں دوست تم سے ہو جائیں مٹن
 جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا
 وہ افلاس اپنا چھپائے میں گویا
 نہیں چھپتے عیب بابتی ثروت سے میرے
 ہی الفت بھی حشت بھی نیا سوا لازم
 فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
 یکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں
 ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
 غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی

الاس نہ بس آپ دھڑپت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ
 دف اعیان کی اعیان سے سن
 ہماری آہ بے تاثیر کا حال
 دیوں میں ڈالنا ذوق اسیری
 دل مجھ سے سن لذت وصل
 نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
 نہیں آپ بقا جز جلوہ دوست
 فریب وعدہ دیدار کی تدر
 فغان شوق کو مانع نہیں وصل
 تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم
 متاع بے بہا ہے شعر حالی

ق

مزا انکسور کائے خوار سے پوچھ
 مری الفت درود یار سے پوچھ
 کچھ اپنے دل سے کچھ اعیان سے پوچھ
 کندگیوں کے خمدار سے پوچھ
 نشاط عافیت بیمار سے پوچھ
 ہماری چشم دریا بار سے پوچھ
 کسی لب شہد دیدار سے پوچھ
 شہید خجہ انکار سے پوچھ
 یہ نکتہ عندلیب زار سے پوچھ
 وہ تصویر خیال یار سے پوچھ
 مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

سی

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو توبہ گمانی
 یہ جرم کوئی آخر کب تک سُنے ملامت
 عاشق کے دلوں کو تیرے آگ میں ہے
 اُمید وصل سے جو کچھ جی پھڑاے دیتا
 ہر حکم پر ہوں راضی ہر حالت میں غم
 صبر و سکون سے ہو کہ یہ بھی بیٹھنے دے
 پھر یہ بنائے ہستی جو تیرے بعد دیران
 دیکھا جاں جانوں نے اور نہ دل سے
 وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ انگلی مہربانی
 ناصح سے ہو کہ اپنی کہنی پڑی کسانِ
 دیتا نہیں وہ لذتِ پیاسے کو سرد پانی
 جو کچھ سنا ہے ہنسنے مشاطہ کی زبانِ
 کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی
 توڑی سی رہ گئی ہو اسے کاہش نہانی
 ہو تو بھی اب غنیمت اسے صنعتِ ناتوانی
 کیا جانے کس ادا سے کی اُس نے دلستانی

اک نکتہ کے بیاں سے سر پر ہونگے حالی

چلتا نہیں کسی کا یاں لافِ نکتہ دانی

کدو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے

گر گئے نہیں دے زہری کا جام بلا سے

جو کچھ ہے سوہے اُسکے تغافل کی شکایت

قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

وَلَاہ نے اُمید دلائی تو ہے لیکن

دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلا سے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اسے شہِ خواہاں

یاں ہیں۔ تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہِ طلب میں

ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آبِ بقا سے

در گزریں دُعا سے تو بھر دے یہ دُعا کے
 در گزریں دُعا سے بھی۔ دُعا ہے یہ خدا سے
 اک درد ہو بس آٹھ پہرِ دل میں کہ جس کو
 تخفیف دُعا سے ہو نہ تسکین دُعا سے
 حالی دلِ انسان میں ہر گم دولت کو نین
 نثر مندہ ہوں کیوں غیر کے احسانِ عطاس
 جب وقت پڑے دیے دستکِ دردِ دل پر
 جھکے فقر سے نہ جھپکے امرا سے
 لکب دقمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
 کل بتائے گی خزاں یہ کہ دطن کس کا ہے
 فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
 مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے
 دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
 چرخ کتنا تھا کہ یہ بیتِ خزن کس کا ہے
 مطمئن۔ اس سے مُسلماں نہ سیحی نہ یہود
 دوست کیا جانے یہ چرخِ کُہن کس کا ہے
 داخط اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
 ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے
 آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
 عزمِ تسخیر پھر اے شیخِ زمین کس کا ہے
 آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر

تم میں روپ اے گل و نسیرن و سمن کس کا ہے؟
 عشق اُدھر عقل اُدھر دُھن میں چلے ہیں تیری
 رستہ اب دیکھے دونوں میں کٹھن کس کا ہے
 شان دیکھی نہیں گرتوں چمن میں اسکی
 دلولہ تجھ میں یہ اے مرغ چمن کس کا ہے؟

میں فصاحت میں مثل و اعظا و حالی دونوں
 دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں جلتی جاتی ہے ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
 عجب نہیں کہ رہے نیک بد میں کچھ نہ تیز کہ جو بدی ہو وہ ساچو میں ڈھلتی جاتی ہے
 سپاہ و میر سپہ باغ باغ ہیں۔ لیکن بہیر روتی ہے اور ہاتھ ملتے جاتی ہے
 کہا چو میں نے وفا کرتے آؤ ہیں اجاب کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے
 قلن انہیں نہیں گرد و ستوں سے پھٹنے کا طبیعت اپنی بھی کچھ کسب بدلتی جاتی ہے
 بہت سے کھوئے خلیجان میوانی نے ضرورت ایک کو بعد ایک ملتے جاتی ہے
 ہوئے ہیں بار امانت سوتیرے سب عاجز زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے
 اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار فقیہ و شیخ میں جوتی اٹھلتی جاتی ہے

نہ خوف مرئیے جیب تھا نہ اب ہر کچھ حالی

کچھ اک بچھک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بڑی اور بھلی سب گزر جائے گی یہ کشتی تو نہیں پار اُتر جائے گی
 ملے گا نہ گلچیں کو گل کا پستا ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی
 رہیں گے نہ ملاج یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی
 اُدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر یہ بازی تو سوتا ہوتا ہر جائے گی

بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
 نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں نہ ہوں یونہیں عمر ساری گزر جائے گی
 تئیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
 یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی
 کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
 نہیں خالی ضررے و خیشوں کی ٹوٹ بھی لیکن
 حذر اس ٹوٹ سے جو ٹوٹ ہو علمی و اخلاقی
 نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑی تو نے گلشن میں
 یہ گلچینی ہو یا لٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی
 کمال کفش دوزی علم افلاطوں سے بہتر ہے
 یہ وہ نکتہ ہے سمجھے جس کو مثنائی نہ اشراقی
 رہی دانائی آخر غالب آکر پسלוانی پر

گئے چین مان سب چینی و فرغانی و قباقرانی
 ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ
 لٹھا ختم بہ ختم غیروں پہ کیوں مسک ہو گرسافتی
 مارچ کوش و تدبیر کے سب ہو چکے حالی
 لطیفہ رہ گیا ہو دیکھنا اک عینب کا باقی

اہل معنی کو یہ لازم سخن آرائی بھی بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشا کی بھی
 اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تمیز اس میں تری بھی ہیں کوئی بھی ہیں صحرائی بھی
 آگہ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک منڈی اس میں سکھ بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی

جو چھپاتے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے گھاتیں اُنکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
دوست گر بھائی نہ دوست تو بھی۔ لیکن بھائی گردوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
اُن غم دوست بھی پر نہیں اپنی گزراں کچھ فتوح اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
دل غمی رکھتے ہیں جو دولت نیا جو لوگ تو ران کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی
عقل ہو۔ اپنی حماقت کو چھپانکی اُنھیں جنہیں کچھ ساتھ حماقت کو جو خود رائی بھی
عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلس نگووا اُن کو خود رائی بھی پھٹی جو خود رائی بھی
ملنے دیگی نہ اجل تم سے نہیں جی بھر کر فرصت ایو دستو ادنیاسے اگر پائی بھی

جی گئے ہم۔ پہ رہو مردوں کو بدتر حالی
دیکھ لی تہنہ طیبوں کی سیجائی بھی

رہا کھل کے زائد کا زہر ریائی بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
برائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن کہاں یہ بُرائی کہاں وہ بُرائی
گناہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب عبادت میں کیوں جان ناسحق کھائی
رُکا ہاتھ جب بن گئے پار ساتم نہیں پار سائی یہ ہے نارسائی
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے سوا اسکے منعم میں ہے کیا بُرائی
جو کہتے تو جھوٹی جو سُننے تو سچی خوشاد بھی ہم نے عجب چیز پائی
ہوئی آکے پیری میں قدر جوانی سمجھ ہم کو آئی یہ ناوقت آئی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پرست وہ پرست کو بھی کر دکھاتا ہے رائی
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح جو داں دل پہلی تھی تو یاں نہ کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اس کے دل زار تھائی ہے نہ ملاقات ہے جس سے نہ شتاسائی ہے
 قطع اُمید نے دل کر دیے یکسو صد شکر شکل مُرت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
 قوت دستِ خدائی ہے شکیبائی میں دقت جب کے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
 ڈر نہیں غیر کا جو کچھ ہے سوا پنا ڈر ہے ہنسنے جب کھائی ہو اپنی ہی سوز نک کھائی ہے
 نشیں چورہوں - بھانجہ میں مغمور نہ ہوں پسند یہ سپر خرابات نے فرمائی ہے
 نظر آتی نہیں اب دل میں تپتا کوئی بعد مدت کے تپتا مری بڑائی ہے
 بات سچی کہی - اور انگلیاں اٹھیں سب کی

سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے؟

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہو جقدر کرنی ملامت اور کو آسان ہو
 سامنا ہو موت کا ہونا محبت سے دوچار آئے اس میدان میں اب اگر کچھ جان ہو
 دیکھ اے بلبل دُرا گلشن کو آنکھیں کھول کر پھول میں گر آن ہو کانٹے میں بھی کُشان ہو
 عقلِ صلی پر تہمتی حرص و آز انسان کی لے نہ اب نام آدمیت کا اگر انسان ہو
 چیز ٹپوں میں اتحاد اور یکھوں میں اتفاق آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہو
 تجھ میں جوت ادا شمع ہو کس برقِ عالم سوز کی جان و دل سے تجھ پر نہ جو یوں قربان ہو
 دل میں حالی کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ
 جی میں ہو کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہو

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایماں باقی

رہ گیا کیا ہے اب اے گہر و مسلاں باقی؟

بزمِ دعوت میں ربائی ہوئی اپنی اسوقت

میزباں جب نہ رہا کوئی نہ ہماں باقی

حق ادا رک نگہ لطف کا ہو گا کیوں کر؟

دل و دین لے چکے اور ہوا بھی احساں باقی
ظاہر اور دہی الفت کا نہیں چارہ پذیر

ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درماں باقی
تو شہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے میں بہت کوچ کے ساماں باقی
جب یہ کہتا ہوں کہ بس دُنیا پہ اب تفت کیجئے

نفس کہتا ہے ابھی چند سے توقف کیجئے
واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار

اُس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجئے
ضبط کیجئے در و دل تو ضبط کی طاقت نہیں

اور کھلا جاتا ہے رازِ دل اگر اُف کیجئے
دوست کے تیور میں ہم ہر رنگ میں پہچانتے

بے تکلف ملے ہم سے یا تکلف کیجئے
جیکہ عقلی بل گئی دُنیا ہے پھر سہل الوصول

شیخ لگتے ہاتھ اس پر بھی تصرف کیجئے
وقت تھا جو کام کا حالی گنوا بیٹھے اُسے

جائے اب عمر بھر بیٹھے تأسف کیجئے

نوبہ حضرت کی یونہی اک دودھ کا سا ہوا بال

ہم دکھا دینے ذرا دم بھر توقف کیجئے

فکر فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی جان کو پہنے لگالی ہے یہ علت کیسی
جب خزاں ہو گئی آخر تو رہا ہم خزاں جن کی قسمت میں ہو کلفت انھیں حیات

جی کا آفت کو سمجھتے تھے ہم اک بہلاوا
 جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان
 عین جی سی نہیں خلقت کی دم بھر فارغ
 جو حقیقت ہو ہیں آگاہ تری اے دنیا
 جانتا ہو دہی۔ دل پر ہو گذرتی جس کے
 ہمنے آدل سے پڑھی ہو یہ کتاب آخر تک
 جبکہ رہتا نہیں تابو میں دل اپنے ناصح
 وہ تو آفت تھی ہمارے لئے آفت کیسی
 قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی؟
 جنکو کچھ کام نہیں یاں ایتھیں نصبت کیسی
 وہ نہیں جانتے ہوتی ہے نصبت کیسی
 ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہو حالت کیسی
 ہم سے پوچھے کوئی؟ ہوتی ہے محبت کیسی
 وحی بھی کام نہیں کرتی۔ نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجم
 یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر ن آسانی مری
 تھانہ محتاج سبب عفو کریم
 خلد میں بھی گر رہی یاد اسکی زلف
 ہے لباس جسم تک مجھ پر گراں
 مانع گالشت ہے بیم خزاں
 قدر نعمت ہے بقدر انتظار
 کفر سے بدتر مسلمان مری
 کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
 کم نہ ہو شاید پریشانی مری
 دُور جا پہنچی ہے عریانی مری
 موت کرتی ہے نگہبانی مری
 حشر پر پھری ہو بھانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمان پہ کفر

جیسی ہو حالی مسلمان مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیان رہے

شکوے وہ سب سنا کئے اور مہرباں رہے

کیا کیا ہیں دل میں دیکھے ارماں بھرے ہوئے

ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے

حواں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتہ اُمید
 اب تک تو ہم جہاں میں بہت شادیاں ہے
 پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی
 اتنے ہی ہم سبک ہوئے چٹنے گراں رہے
 دیر و حرم کو تیرے فناؤں سے بھر دیا
 اپنے رقیب آپ رہے ہم جہاں رہے
 داراؤں جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے
 زرخ متاع عشق - اتنی گراں رہے
 حالی سے مل کے ہو گوتم افسردہ دل بہت
 اگلے سے دلوئے وہ اب اس میں کہاں ہے
 کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے بات اُس کی کاٹتے رہو اور ہنر باں ہے
 یا دران تیر گام نے محل کو جالیا ہم مجھ نالہ جس کارواں رہے
 یا کہینچ لائے دیر سے مندوں کو اہل غظ یا آپ بھی ملازم پیر غماں رہے
 وصلِ مدام کی بھی ہماری بھی نہ پیاس ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیچاں ہے
 کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کار و سیاہ ”تم مدعی کے گھر گئے اور یہاں رہے“
 دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام کشتی کسی کی پار ہو یا دریاں رہے
 حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر دلا
 کچھ راز تھے کہ دل میں ہماری نہاں رہے
 حق و وفا کے جو ہم جتانے لگے آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے
 تھا یہاں دل میں طعن و صلِ عدو عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے
 ہکو جینا پڑے کافرت میں وہ اگر بہت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زبان داخل جہانے
 جان بھی نظر نہ میں آتی
 اسدہ یاقین بہت بتانے لگے
 غیر الفت بہت چٹانے لگے
 تم کو کرنا پڑے گا عذر جہانے
 ہم اگر درد دل سنانے لگے
 سخت مشکل ہے شیوہ تسلیم
 ہم بھی آخر کربھی پڑانے لگے
 جی میں ہے توں رضائے پیرمناں
 فافے پھر حرم کو جانے لگے
 ستر باطن کو فاش کر یار بابر
 اہل ظاہر بہت بتانے لگے

وقت رخصت تھا سخت جالی پر

ہم بھی پیٹھے تھے جبہ جہانے لگے

حشر تک یاں دل ٹکیا جا چاہیے
 کب لیں دلبرے دیکھا چاہیے
 ہر تجلی بھی نقاب روئے بار
 اس کو کن آنکھوں دیکھا چاہیے
 غیر ممکن ہے نہ ہوتا غیر خم
 حال دل پھر اس کو لکھا چاہیے
 ہو دل انگاروں کی ولداری ضرور
 گر نہیں الفت مدارا چاہیے
 ہو کچھ اک باقی خلش امید کی
 یہ بھی منجائے تو پھر کیا چاہیے
 دوستوں کی بھی نہ ہو پروا ہے
 بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے
 بھائے ہیں آپ کے انداز و ناز
 کیجئے اغماض جتنا چاہیے
 شیخ ہے انکی نگہ جاوید بھری
 صحبت رنداں سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپ حالی رنجور کو

حال اسکا کس سے پوچھا چاہیے

جنوں کا فرما ہوا چاہتا ہے
 قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے
 دم گریہ کس کا تصور ہے دلیں
 کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے
 خط آنے لگے شکوہ آمیزانے
 بلاپ ان سے گویا ہوا چاہتا ہے

بہت کام لینے تھے جس دل سے ہو
 ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں ہیں
 اچل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
 کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
 درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے
 کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے
 وفا شرط الفت ہے۔ لیکن کہاں تک؟
 دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے
 بہت خطا اٹھاتا ہے دل تجھ سے بلکہ
 قلعہ دیکھنے کیسا ہوا چاہتا ہے
 غم رشک کو تلخ سمجھے تھے ہم دم
 سودہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے
 بہت چین سے دن گزرتے ہیں حالی
 کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

ق جس کو غصے میں لگاؤ کی ادایا دے
 آج دل لے گا اگر کل نہ لیا۔ یاد رہے
 شوق پڑھنا گیا جوں جوں کے اُس شوخ سیہم
 یہ سبق وہ ہے کہ بھولے سے سوا یاد رہے
 ہم بھی آدابِ شریعت سے تھے آگاہ۔ مگر
 ہنرِ تاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے
 یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر کیجے
 اس بھلائی کا ہے انجام بُرا۔ یاد رہے
 شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے
 توبہ اُن کی ہے جنھیں اپنی خطا۔ یاد رہے
 وادعی عشق میں موسیٰ کو ہو گدہ رخصت دید

ہاتھ کٹوائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے
 خضر نے پائوں اگر دشتِ فنا میں رکھا
 بھول جائیں گے رہِ آپ بقا یاد رہے
 دل بُری طرح لگا عشقِ تباہ میں انوشیروان
 دین پڑا پائیں اگر اب کے خدا یاد رہے
 چارہ گز کار باندا زہِ تدبیر نہیں
 کچھ بھیت اگر وقتِ دعا یاد رہے
 ابھی جانا نہیں حالی سے کہ کیا چیز ہیں وہ
 حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا یاد رہے
 ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
 آخر کو ہم حوالہ تقدیر کر چکے
 افسوس شب وصال کے واں کار گر نہیں
 نالے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے
 اسے دل اب آزمائشِ تقدیر کا ہر وقت
 وہ امتحانِ برتیش شمشیر کر چکے
 کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہے
 ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے
 بھولے رہے تصویرِ مرگاں میں چند روز
 دیکھا تو دل کو ہم ہر دہائیہ کر چکے
 جاں لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار
 مشاطہ جلد تر کہیں تقریر کر چکے

کے لیے فادے ہوئے ہیں وہ
گو اگر اک زبان کو تنہا کر چکے

حالی بابا کو پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ وہاں پریشانیں تاب سخن ہو محبت ہے کہ دل میں موج زن ہو
بہت لگتا ہے دل صحبت میں اسکی وہ اپنی ذات سے ایک اکھن ہو
بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہو
عدو سے بات مغل میں نہ کرنی جو سچ پوچھو تو جائے سونٹن ہو
بہت دل میں تری عاشق کو درکار تری جو بات ہے وہ دلشن ہو
دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد نہ میں بلبل نہ گہر سیراچن ہو
کہوں تجھ سے یہاں کچھ دہریت مگر جو شش سخن سر دہن ہو
رہے لاہور میں آکر سو جانے یہی دنیا ہے جو داند اکھن ہو
نہیں آتی کہیں تیاں بوسے یوسف مگر جو گہر ہے وہ نیت انھن ہو
یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام کہ بلبل ناہنشناسے چمن ہو
نہ کچھ محنوں کو ہے پروا سے لیلیٰ نہ کچھ شیریں کو درد کو کہن ہو

۱۷۹ تقریباً ۱۲۸۵ھ میں اس وقت لکھی تھی جبکہ مجھے تقریباً زمرت ملی چھوڑ کر لاہور
جانا پڑا تھا اس وقت اول تو دلی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دو دیکر لاہور میں کسی سے
جان پہچان نہ تھی۔ وہاں پہونچتے ہی نہایت سخت وبا آئی۔ اور وہاں سے ہیضہ کے ابتد
درتہ تک چھپکا اور بخار کا زور و شور رہا۔ آخر کار راقم بھی نہایت بیمار ہو گیا۔ اس تہائی
اور سر آہستگی و غم اندہ وہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے۔ ۱۲ (حالی)

ہے ہمسائے ہمیں اپنی لالہ ہو
 مری خلوت میں ہے ہنگامہ زرم
 بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول؟
 بتاؤں تم کو ہوں کس مہر کی ٹوہ؟
 عدم کی راہ کٹ جاتی کہی کی
 نہ لینے دیگا جنت میں بھی آرام
 گر میں نظروں سے سب باتیں پرانی
 بھلا حالی راہ الفت سے ہو خالی!

کیا ہے اس نے کہنے میں سخن ترک
 گم ہم کو ابھی اس میں سخن ہو
 کی بھی اور کس سے آشنائی کی
 ہم کو طاعت نہیں جدائی کی
 تم کو عادت ہے خود نمائی کی
 صلح میں چھڑے لڑائی کی
 ہم سے باتیں کر د صفائی کی
 بھی عبت آرزو رہائی کی
 کہتے امید دل رہائی کی
 بو نہیں آتی آشنائی کی
 رہ گئی شرم پار سائی کی

ماہ یہ فرماں بھی لاہور میں اٹھی دشت لکھی گئی جیکہ غزل سابق لکھی گئی تھی۔ آخر کے شعر
 ہیں اس امر کے برعکس اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ۱۲۔ (حالی)

بخت ہمدانی شیدا تو نے آخر کو نارسائی کی
 صحبت گاہ گاہی رشتہ شیلی تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
 موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے ساعت آپہنچی اُس جدائی کی
 زندہ پہنے کی ہے ہوسِ حالی
 انتہا ہے یہ بے حیالی کی

کر دیا غوگرِ حفا تو نے خوب ڈالی جی ابتدا تو نے
 دُور پہنچی تھی اپنی آزادی پر خدا جانے کیا کیا تو نے
 کیوں نہ آئینکے پاں وہ ایہم بس سنائیں نے اور کہا تو نے
 گوشِ دل ساتھ لائے تھے ہم آج نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
 صبر کا ہے بہت بُرا انجام ہم کو سمجھا ہو دل میں کیا تو نے
 ابتدا کے وفا ہے سر دینا میری دیکھی نہ انتہا تو نے
 دل سے قاصدِ لبائے وعدہ وصل اور کہو یا رہا سہا تو نے
 ایک عالم کو خوش کیا اور شک ہم کو کس سے خفا کیا تو نے
 جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
 حالی اپنا کہا سنا تو نے

کر کے ہمیں رومی دوا تو نے جان سے پہلے دل لیا تو نے
 رہبرِ روشن لب نہ گہرا نا اب لیا چشمہ بقا تو نے
 شیخِ جبل ہی دیر میں لگا اُس کے مسجد سے کیا لیا تو نے

۱۵ شیدائے مراد نئی محمد کرم اللہ خاں سجاد دہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی فکرِ شعر کرتے
 تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲ (حالی)
 ۱۶ رشکی آریزیل نواب محمد علی خاں بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲ (حالی)

دور ہو اسے دل مال اندیش کو دیا عسکر کا ہوا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل دین گلوں کے لئے تھے سوئے دیر یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے امید خلد پر حالی

کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق

دل کو درد آشنا کیا تو نے درد دل کو دوا کیا تو نے
طبع السناں کو دی سرشتِ وفا خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصلِ جاناں بحال ٹھہرایا قیل عاشق ہوا کیا تو نے
تھانہ جز غم بساطِ عاشق میں عسکرم کو راحت فرما کیا تو نے
جان بقی اک و بالِ فرقت میں شوق کو جان گزا کیا تو نے
تھی محبت میں تنگ منیت غیر جذبِ دل کو رسا کیا تو نے
راہ زاہر کو جب کہیں نہ ملی قلم در میخانہ داکیا تو نے
قطع ہوئے ہی جب لگا پیوند ۲ غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پلڑے کو مہر سپر اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک مال بہر ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کامِ جاں کو لذتِ درد درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوقِ طلب سعی کو نارسا کیا تو نے

۱۵ اس شعر میں پیر و سپر کا اشارہ حضرت یعقوب یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں
بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادبسم رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۱۲۰ (حالی)

پردہ چشم تھے حجاب بہت
 عشق کو تاب انتظار نہ تھی
 حرم آباد اور دیر خراب
 جو کیا سب محب کیا تو نے
 سخت افسردہ طبع تھے احباب
 ہم کو جادو نوا کیا تو نے
 پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب
 کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے
 حالی اٹھا بلائے محفل کو
 آخرا پنا کسا کیا تو نے

نفس کی قربان دہائی ہو چکی
 اب ہیں پیری کی عبودیت کو دن
 گرم جوشی نعلت محبت ہو چکا
 موت کی راحت فراہمی کا ہودقت
 قطرہ آب دریا میں جاٹے کو ہے
 جلتے ہیں جبریل کے شہپر جاں
 دیکھتا ہر تجھ کو آب اے جذبہ عشق
 قید خانہ میں گیا دل جن کا لگ
 دیر میں بھی لیجے قیمت ازما
 خود بڑا بن کر دکھاؤ آپ کو
 وقت ہوا اے زاہد۔ اب نشیر کا
 ہے چڑھائی علم کی مذہب پہ اب
 غلطی سے اس کی اب منٹ بیٹھو
 لگئی ہے مذہب ولت کی جنگ
 ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی
 خود پسندی خود نمائی ہو چکی
 بے مانی کی خدائی ہو چکی
 ناخوشی۔ غمگی۔ لڑائی ہو چکی
 زندگی کی جاں گزاری ہو چکی
 تیری میعاد اے جدائی ہو چکی
 بے پروں کی دہان رسانی ہو چکی
 عقل کی دور آزمائی ہو چکی
 اُن اسیروں کی رہائی ہو چکی
 مسجدوں میں جبہ سائی ہو چکی
 باپ دادا کی بڑائی ہو چکی
 شہرت زہر ریائی ہو چکی
 شرک بدعت کی چڑھائی ہو چکی
 سفطے سے ہاتھ پائی ہو چکی
 ملک و دولت کی لڑائی ہو چکی

ہو نہ مذہب کی صفائی جب تلک اہل مذہب کی صفائی ہو چکی

اب نہیں سُنے کا اے حالی دماغ

بس بہت ہڈیاں سسالی ہو چکی

مستی جہل میں غفلت کا نشا اور سہی شب تاریک میں گھنگھو رگھٹا اور سہی

دوستو! روگ بظاہر نہیں جانو لا ہو چکیں ختم دو اینس تو دعا اور سہی

کم نہ تھے روگ جہانی میں بھی کچھ پیر رعشہ اب اور سہی - لغزش پا اور سہی

گر گنہ عفو کی امید پہ کرنا ہو خطا میں جاں لکھ گنہ ایک خطا اور سہی

شہ کوئی خوف و خوفناک اہل خوفناک ال کہ دو - اے پنجر اک خوف خدا اور سہی

بیوفا کوئی غبی ہو نہیں جو تھو میں؟ وصفاتے میں جاں ایک فائدہ اور سہی

ترک دنیا کے علائق تو کئے سب اہر گردنا سب ہو - تو اک ترکیب اور سہی

تیری الفاس مردوں کو کیلے زندہ ایک چھکا ادھر اے باد صبا اور سہی

مدیر میں ملا کچھ - تو نہ توڑ اس لئے ل ایک مدد دولت ساتی پہ صدا اور سہی

نم تو حالی یہی طرز اپنی بنا ہے جاؤ

طرز شعر فصاحت و بلف اور سہی

نہ عیش کیخسروی رہے گا نہ دولت بہمنی رہے گی

رہے گی اے منعمو - تو باقی دیے کی کچھ روشنی رہیگی

رہے گی گردش دکھا کے بچا جو ہو گے تارے تم آسمان کے

کسی کی آگے نہ رہی ہو نہ اب تہا ہی بنی رہے گی

گرایا تو راہینوں کو تو نے - بچھاڑا ما زندہ راہینوں کو،

کہاں تلک اے شراب غفلت یہ تیری مرد فکری رہیگی

لے یہ غزل ۱۹۱۴ء کی تصنیف ہے ۱۲ (اسماعیل)

رہے گی کس طرح راہ امین کہ رہنما بن گئے ہیں رہن
 خدا نگہاں ہے قافلوں کا اگر یہی رہن رہی رہے گی
 بھٹائیاں ہو رہی ہیں جتنی دل اُٹنے ہی ہو گئے ہیں
 اندھیرا چھا جائے گا جہاں میں۔ اگر یہی روشنی رہیگی
 کریم کی کچھ عقل رہنمائی۔ نہ علم سے ہوگی کچھ صفائی
 گناہ کی گندگی میں دنیا یونہیں ہمیشہ سنی رہیگی
 بگاڑ نہ رہے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تاحشر ٹٹنے والے

یہ جنگ وہ ہے جو صلح میں بھی یونہیں ٹٹنی کی ٹٹنی رہیگی
 قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبول عام ہونا
 رہو گے گرجن ظن کے طالب تم سے یہاں بطنی رہیگی
 جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالی تو اس سے دل تنگ نہ وارث
 رہیں گے ہر حال میں غنی وہ جو نیت ان کی غنی رہیگی

کہنے کی بات ہو تو اسے کہہ سنائیے۔ جو دل پہن رہی ہے وہ کیونکر دکھائیے؟
 دنیا کی ہو ہوس تو دل و دیں گنوائیے۔ یاں گھوئیے بہت سا تو کچھ جا کے پائیے
 یہ کیا کہ دل ہو دیریں اور کعبہ میں مقام؟ ہو رہیے بس ہیں کس جہاں دل لگائیے
 گر جان کا ضرر ہے۔ محبت میں ناصحہ ہم جان ہی سے بیٹھے ہیں بے رجا پائیے
 اور اعتبار رکھو تے ہو اپنا رہا سہا بس آگیا یقین ہیں قسمیں نہ کھائیے
 بھر پائے بس زمانہ سے جو مانگتے تھے حق فارغ غلطی ہم اپنی ابھی لکھ دیں لائیے
 مشکل ہے پاک ہونا اگر دل نہیں ہے پاک رزم میں غلٹ کیجے کہ گنگا نہائیے
 پھر تا ہو جو کہ کو دما غیروں کی آگ میں خیر اس اجل گزشتہ کی کب تک نہائیے

ہوتی ہجوم غم میں ہے کیوں زہر کی تلاش
حالی بنائیں آپ کو۔ گر کچھ کھلائے

وصفِ چمن نفس میں سنو عندلیب سے
نالوں سے ایک دم نہیں مسکین کو قرار
لاگ اور لگاؤ ساتھ گئے سب شباب کے
عذابِ دل سے دُور رکھو خیال نشاطِ عمر
شادی ہو ایک کی دُہی۔ جو دوسرے کا غم
دُلوں پر ہنسنے درودِ دل کو مردوں اسیر یا حیوں
کھتا ہوں۔ دیکھتا ہوں جسے خوار و بے وقار
طالب میں صدق ہے نہ عقیدت مریدیں
مدِ پڑھے وہ خطبہ جس میں صدقِ صفائے ہو
خانے میں تم کو دیکھ کے جاتی ہے ہچکچاہٹ
اب جس کے جی میں آئے بھر شاعری کا دم
نعم البذل ہے داغِ حالی ”کلامِ داغ“

ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

تیرہم لگائے جاتا ہے
دیکھتے اور کیا دکھائے فلک
دوستوں کو رُلا چکا۔ لیکن
ہو چکی قومِ مُردہ۔ پر جب لا
گو کہ حالی میں دم نہیں باقی
گو نہیں اس خیر کی۔ لیکن
ظُروں نظروں میں کھا کر جاتا ہے
ابھی آنکھیں دکھائے جاتا ہے
دشمنوں کو مہنائے جاتا ہے
ابھی دُڑے لگائے جاتا ہے
دُور اپنی ہلائے جاتا ہے
خیر سب کی منائے جاتا ہے

اب نے اس میں کوئی بیان نہ کئے
وہی راگ اپنا لگائے جاتا ہے

— () —

حصہ دوم تمام شد

حصہ سوم

رباعیات

وہ رباعیات جو مولانا نے دیوان مرتب کرتے وقت اس میں درج کی تھیں
تو کے قریب ہیں یہ رباعیاں دیوان سے علیحدہ بھی ”رباعیات حالی“ کے
نام سے کتابی شکل میں مختلف مطابع سے متعدد بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں اور
ملک میں ان کی کافی شہرت ہو چکی ہے۔

دیوانِ حالی کے شائع ہونے کے بعد بھی (جو کہ پہلی مرتبہ ۱۹۰۷ء
میں چھپا تھا) مولانا نے بہت سی رباعیاں کئی تہیں جو مختلف اخبارات و رسائل
میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ ان سب کو میں نے تلاش کر کے ”جواہراتِ حالی“
میں درج کر دیا تھا جو مولانا کی غیر مطبوعہ اور پراگندہ نظموں کا مجموعہ ہے اور
گزشتہ سال چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

اب یہاں نئی و پرانی۔ جدید و قدیم۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ غرض تمام
رباعیات جو مل سکیں درج کی جاتی ہیں۔ وہ بھی تمام رباعیات اس میں
ہیں جو دیوانِ حالی میں تھیں اور وہ بھی جن کو میں نے ”جواہراتِ حالی“
میں جمع کیا تھا۔ تمیز کے لئے ”جواہراتِ حالی“ والی رباعیوں کو میں نے
آخر میں درج کیا ہے اور ہر ایک رباعی پر لکھ دیا ہے کہ وہ کہاں سے
حاصل کی گئی ہے۔

اسماعیل

توحید

کاٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکاتا ہر اک گوش میں لٹکاتا
 مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہو ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہو کھٹکاتا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ مٹا لے راگ گایا تیرا
 دھری نے کیا دھڑے بغیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں جب ہما زحکر کہتا جب قافلہ دادی میں ہو سر ٹکراتا
 سباب کا آسرا ہو جب اٹھ جاتا داں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گیسر تیری قدرت کے طور منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو محبوب اور
 خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ غور شد کا شش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جب ناپوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا چواتی ہے
 ممکن ہو کہ سکھ میں محل جائیں اطفال لیکن انھیں دیکھ میں ناں ہی یاد آتی ہے

ایضاً

مٹی سے ہوا سے آتش و آب یاں کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
 پڑ تیرے خزانے میں ازل سے اب تک گنجینہ غیب میں اسی طرح ہنساں

۱۵ یعنی جو کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ بمقابلہ اس کے جو خزانہ غیب میں مخفی ہے

کائنات میں ۱۲ (حالی)

توحید

ہستی سے ہر تیری رنگ بوسے کے لئے طاعت میں ہر تیری بہر دس کے لئے
ہیں تیرے سوا سائے سہا کے کمزور سب اپنے لئے ہیں اور تیرے لئے
ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہر ایک دل جو کہ ہوشاد
ہر جو کہ میں تجھ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہیں ہر ایک بے غم سے آزاد

لغت

ذہاد کو تو نے متحد کیا عشاق کو دستِ لذت دید کیا
طاعت میں ہاتھ کی سا بھی کوئی توحید کو تو نے اہل کے توحید کیا
ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا اور امیوں کو خیر اتم تو نے کیا
اسلام نے ایک کر دیا روم و تار بچھڑے مجھے گلہ کو ہم تو نے کیا
ایضاً

بطحا کہ ہوا تیری دلا دے شرف شرب کو ملا تیری قامت شرف
اولاد ہی کو بخش نہیں کچھ تجھ پر اہا کو بھی ہر تیری اوت شرف

صلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گرتے بیر کریں شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ "ہے جہنم و نیت" وہ آئیں اور اس بہشت کی سیر کریں

بیل کی چمن میں ہنر بانی چھوڑی ہنرمیں شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دل زندہ تو نے ہنر چھوڑا ہم نے بھی تری رام کہانی چھوڑی
سیران زندہ دل

خوش ہتے ہیں نگہ میں کامراؤں کی طرح ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دل اکٹھے ہیں نظر اکٹھے جو کرتے ہیں تیر ہنس ل کے پیری کو جوانوں کی طرح
نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت ہوں نیکیوں پر اپنی نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اک بدی ہو کر ہونہ خلوص نیکی سے بدی نہیں ہو کچھ دور بہت
امتحان کا وقت

راہ کستا تھا جان ہو دین پر قربان پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی کیے اب کیا ہو صلاح؟ فرمایا کہ بھائی جان جی ہو تو جہان
عشق

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا یا گھر ہے وہ خود ہنر آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہو خبر اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا
نیکیوں کی جانچ

نیکیوں کو نہ ٹھہرایو بد اے فرزند اک آدمہ ادا ان کی اگر ہونہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں ہوں اسیں اگر گلے ٹڑے دے چند
دوستوں سے بجا توقع

تازیت وہ عو قدش موم ہے جو طائب و دستان مصدوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوان و مستون گردن پہ نہ لوعقل خداداد کا خون
خود ہمیشہ باب اک جنوں ہو اب تم کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنوں
غور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور پر عیب بچے تا بہت دور ضرور ہو
عیب اپنے گھٹاؤ پر جس درار ہو گھٹنے سے کہیں ان کے نہ بڑھ جائے غرور
گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زبان کہتے ہیں نہ کم ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور دم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم
شرط قبول

ممکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قدر کہیں پر قدر کہیں بغیر جو ہر کے نہیں
عبر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے مگر غنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی بستر گین
طالب کو سوچ سمجھ کر پسربنا نا چاہیے

ہوں یا نہوں پیراں عرفان و یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہوں نادان کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے
میں جہل میں سب عالم و جاہل ہر آتا نہیں فرق اس کے سوا انہیں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام
پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یا انوں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر

لے دم دعویٰ اور قدم علی ۱۲ حالی لے برگیں کے معنی گوبر کے ہیں ۱۲ اسماعیل

باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائے چل چلا کے سب عیب ہر

مُسرف کو کیونکر فرائض حاصل ہو سکتی ہو

اک منصبِ مسرف نے یہ عابد کو کہا کہ میرے لئے حق سے فراغت کی دعا،

عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ ”محتاج کر اس کو جلد اسے بارِ خدا“

کام کی جلدی

یاں سبھی کی ملت کوئی کب آتا ہے آتا ہے اگر آج توکل جاتا ہے

جو کرنے میں کام اُن کو جلدی نہ لگتا تو طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

بے نفس میں انسان کے جلی یہ مرض بہ سہی پہ ہوتا ہے طلبگارِ عرص

جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے دکھا تو نہاں نہیں بھی تھی کوئی غرض

انقلابِ روزگار

بے تین کے ہزاروں گھر اُچڑ جاتے ہیں گڑ گڑ کے علم لاکھوں گھر جاتے ہیں

آج اس کی ہر نوبت توکل اسکی باری بن بن کے یونین کھیل گڑ جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو جو کل فسرہ خاطر دیکھا پوچھا باعث تو ہنس کے یہ نہ لایا

”رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی امید وہ وقت گئے اب اور موسم آیا“

جسکو زندگی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا

دنیا کے دنی کو نقشِ فانی سمجھو رُودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو

پر جب کہ دماغ کوئی کام بڑا ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو

آثارِ زوال

آیا کو زمین و ملک پر اطمینان اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان

نیک آدابہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھرانے

شانِ اذبار

صحرا میں جو پایا ایک ٹپیل میدان برسات میں

ماریوں تھے جسکے جوتے سودھقان یاد آئی ہمیں

نفاق کی علامت

ہرزم میں آفرین کے لائق ہونا شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا

نکمن نہیں جب تک کہ ہنود میں نفاق آسان نہیں مقبولِ خلاق ہونا

مسلمانوں کی ہمہری

جب تک کہ ہنود دشمنِ اخواں پکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایماں پکا

ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا

مکرو ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ انھیں گرگاہ نہ ڈر شیروں کا

لیکن ان بھڑوے کا جب ہے حذر بھڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہرِ قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت نشان پوشیدہ ہیں حشیوں میں اکثر انسان

عاری ہیں لباسِ تربیت سے در نہ ہیں طوسی زاری انھیں شکو نہیں نہان

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب تو جہاں سے وہاں آیا زوال

ان پر ہوس غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنج شادی تو ہے سرِ چشمہ نعمتِ ایا دی تو ہے

باقی نہ رہے جہاں ہے سایہ میں ترے دنیا کا وسیلہ دین کا ہادی وہ ہے

کہے تجھ سے نہال حبیبی مغرب کی زمین علم کس طرح کو درہنہ تجھ سے اور علم نہیں
شاید اسے علم ماہِ شب کی طرح رہتی ہیں شعاں تری محدود وہیں
خاندانی عزت

بیٹا بچے نہ جب تلک ذلت سے عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی ہر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے
عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا "مجھے ہو عزت ہو جا" فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشان
عزت ہوئی غلط ہے دونوں کا بیان میں عیب ہو حق کا جو ہر نیکی میں نہان
توقع بجا

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں ساتھی میں عزیز لیکن ذلت میں نہیں
اس بات کی انسان سو توقع ہو غیث جو نوع بشر کی خود جلیت میں نہیں
عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جقد کی اور بیشی اتنی ہی مغائرت ہو یہاں اور خوشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مال ضدین ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا شریک سدا ہوتا ہے ہر قسمہ پیغام بکا ہوتا ہے
جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوئی کہتا ہوں کہ اب دیکھے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب نے جہاں راج کیا سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا

دیران کیا تو نے مینوا اور بابل بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

روشن ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اوروں کی بُرائی ہی پہ ہے غزوہاں غبنی کوئی باقی نہیں جس امت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھراؤں کو تباہ پیروں کو خُرف اور جوانوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیری قوموں کو ذلیل - خاندانوں کو تباہ

سببِ والِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دیے دین نے اسرارِ حکم دُنیا نے کمر دین کی تھامی جدم
گردین کی ممنون بہت ہو دُنیا دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پر کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں پاپا جب کوئی عیب گناہ کافر کہا وا غظنے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادتِ جسوفت لاتا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

۱۷ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے صدیق کہا ہے اور بعضوں نے زندق اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پس جس شخص میں کوئی شرعی اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو سکتی تکفیر یا تفصیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنی دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے (۱۷) (دعائی)

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گزطم جہاں کا ہے مدار اس قوم کا چیتنا ہے حالی و شوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہر گز پروا ذلت سے نہیں جو جس کو ہر گز کچھ عار
عفو یا وجود قدرت انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بار خدا مقبول تر اکون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سخنی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں ملک ہو دیگے تسکین نہ ہر گلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہی اس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں
ہمت

بتور نے اک مورچہ زیر دیوار دیکھا کہ بڑھا دانہ کو لیکر سوار
آخر سر بام لیکے پہنچا تو کہا ”مسک نہیں کوئی پیش ہمت دشوار“

کم ہمتی

جبر یہ و قدر یہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجسام ہے جو کفر کی طغیانی کا ثمرہ ہے وہی عقلت نادانی کا
لذت سے لذاتوں کی جانا ہم نے دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تاسف بر فات نو ابضیاء الدین احمد خاں مرحوم نیر تخلص بلوی
قری ہے نہ طاووس نہ کبک طائر آتے ہی خزاں کر گئے سب پرواز

حقِ باغ کی یادگار اک بسیل زار سو اسکی بھی گل سے نہیں آتی آو
ایضا

غالب ہو نہ شیفقت نہ نیر باقی وحشت ہو نہ سالک نہ انور باقی
حالی اب اسی کو بزمِ یاران سمجھو بارو کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی
محنت

محنت کچھ پھل ہیں یاں ہر کام میں محنت ہی کی بکیتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰ کو ملی نہ قوم کی چو پانی جب تک نہ چرائیں بکریاں زمین میں
گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو جو سائل پایا کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا انکی گردن پٹہ بال دے دیکے جنھوں نے مانگنا سکھلایا
تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین کہتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہو گا مرقدیں سواں تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ نہیں؟
ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہے سو گوارہی سن لو کچھ چشمِ جہاں میں اپنی خواری سن لو
افسانہ قیس کو کہن یاد نہیں چاہو تو گفتا ہم سے ہماری سن لو
تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرا نہ دیکھے اسلام کا گزرنہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ ہر ہر جزر کے بعد دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

یہ ان شعراء دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصا رہا ہے
عام اس سے کہ وہ مشہور و نامور ہوں یا نہوں ۱۲ (حالی)

اول کوشش اور بعد کا

دست میں ہو شرط ابتدا انسان سے پھر چاہیے اگلی مدد یزدان سے
جب تک کہ نہ کام دست باز دے لیا پانی نہ نجات نوح نے طوفان سے
کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کے لئے بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح مردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

جھوٹی نمائش

میں جھوٹ کے سچ میں سب سمیٹو الے بننے والوں سے کم ہیں ہونیوالے
گھڑیاں رہتی ہیں جنگی جیبوں میں نام اکثر ہیں وہی وقت کے کھینیوالے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جسکی ہزار بدظن ہنو عیب اسپیں اگر ہوں دوچار
طاووس کے پائے زشت پر کر کے نظر کر حُسنِ جمال کا نہ اس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصرف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ خیر اپنی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت معلوم ہی ہو کہ جتنے پانی میں ہیں آپ

محدود کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآنِ دُخبر کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں مرنے لگتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

۱۵ یعنی جب تک کہ کشتی نہ بنائی۔ ۱۲ (حالی)

دہری کا الزام گور پرست پر

اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا ”ہو گا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا“
دہری نے کہا کہ ”کیا خدا کا منکر اس سے بھی گیا کہ جسے لاکھوں ہوں خدا“

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ ساعت نہوجب کانوں میں دانائی کی باتوں میں اور انسانوں میں
غربت میں ہو اجنبی مسافر جس طرح دانا کا یہی حال ہے نادانوں میں
رفارم کی حد

دھونے کی ہوائے رفا رہر جا باقی کپڑے پہ ہو چیت تک کہ دھب باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ دھبہ ہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھل جاتے ہیں ناداں فی الفور ماناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
جہاں ہیں بہت وہ بے سن کر ناخوش مقصود یہ ہے کہ ہوتا شیش کچھ اور

حسن ظن اصل حال نہیں کھلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں نیکی میں شک اسکی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکہ راج میں بھی شاید کچھ کھوٹ پراسکو کسی نے یاں پتایا ہی نہیں

دینداروں کی برائیاں دین کو غیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبون جو حال اہل اسلام اسلام پہ طعن زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے بیمار اور عفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

فکر عقبیٰ

منزل ہے بعید۔ باز نہ لوزا و سفر۔ موج ہے بحر۔ رکھوشتی کی خبر
گاہک جو کس ہے۔ پس لڑا ل کھرا ہلکا کرو باجوہ ہے کھن را گنہ

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے اس میں نشان
ممکن تو ہو جب کچھ حقیقت یہ ہے انسان ہوا تک رہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر خد برا ہے عشق کا سب کے آل پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً فال
سلطان ہو اگر ظلِ آلی۔ تو عشق ہو ظلِ آلی کے لئے وقت زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہو سب کے چارہ پر تجھ سے۔ بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیے

کی طاعت نفس میں بہت عمر بسر انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیت شب اٹھا چکے اب حالی مجلس کو درخواست۔ ہوا وقت سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

وڑ ہے کہ پڑے غماز دل سے دھونا زرد ارذر اسونج سے بھکر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کوئی ہر محک ہو جو ہر انسان کی کوئی سوتا

حد سے زیادہ غصہ قابلِ عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے وہیں جب تک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریں
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر پھر کس سے ہوں آزر وہ کہ تو تو ہی نہیں

سُفہا کی مدح و ذم کرتے ہیں سقیم اگر مذمت تیری
کرتے ہیں سقیم اگر مذمت تیری کہہ کر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر مدح کریں وہ گر (نصیبِ خدا) رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرضِ پیری لا اعلان ہے اب صفت کے پنجہ سے نکلتا معلوم
پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم کھوئی ہے وہ چیز جس کا پانا ہو حال
آتا ہے وہ وقت جس کا ملنا معلوم

اسراف مسرف نہ بس اپنے حق میں کاٹے ہوئے
کفایت خدا کی اگلاں یوں کھوئیں گزرتی ہے لوگ ان کے ہنسیں بہتر ہے
اس کے کہ فضولیوں پہ ان کی روئیں

رد سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ جواب زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بہتر ہے ہزار بار اسے دُور ہمت سائل کے سوال سے ترانِ جواب

کھانا بغیر بھوک کے فراہمیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں، جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھاہیں ہیں
پر بس لذیذ تھے وہ کھانے اور بھوک جو تھے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال وہاں کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کر دوہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوف زوال

اچھوں کو بُرا سننے میں بھی فرا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ بد و شر کی بُرا جو کر کے بھلا غلط سے سنتے ہیں بُرا
ان گالیوں کا ہی جن کو چسکا حالی آتا نہیں ان کو کچھ دعاؤں میں فرا

شکریہ بیج کلام راقم

جوشِ غم بادہ جامِ خالی میں ہوا پھر دلولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ اس طرح داؤدِ سخن مجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا
احسان بے منت

احسان ہے گروصلہ کی خواہش تم کو تو اس سے بہتر ہے کہ احسان نہ کرو

۱۵ مولوی سلیم الدین مروجہ ناولی مقیم ہے پور متخلص تسلیم نے چند قسطے اردو فارسی
کے راقم کے کلام کی ستائش میں اس وقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہیں
ہوا تھا۔ ان قسطوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی۔ ۱۲ (حالی)

رہے ہوا را حسان تو کرد و اسے عام اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانونِ بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

مناظروں میں بیشتر یقیناً ایک بار حاشا کہ ہوا ان پر نظمِ عالم کا مدار
جو نیک ہیں انکو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں بنتے نیک ان سے نہ ہمار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہل شر سے اڑنا نہ کہیں بھڑکے گی مدافعت اور آتش کہیں
گر چاہتے ہو کہ چپ ہیں اہل خلاف جز ترکِ خلاف کوئی تدبیر نہیں

وا عطف نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل

اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو جہل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر کہ حضور
بے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں اور جیسا سمجھتا ہوں وہ ایسا ہوں نہیں
اپنے سے بھی عیب ہو چھپاتا اپنے بس جھکو ہی معلوم ہو جیسا ہوں نہیں

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرتا

اہیں پیری شیش بخ! بھرتے نہیں دل دیتے ہیں۔ پرچی گزرتے نہیں یوں

تھے ہم تو ہر ایک قید سے آزاد و سدا جو جیسے ہیں اس طرح وہ مرے ہیں یوں

واعظوں کی سخت کلامی

اک گہرے پُرجے جو اصول اسلام واعظ نے دُستی سے کیا اس سے کلام
بولا کہ حضورِ مہفت راہوں جس کے ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب قارالامراقبال الدولہ بہادر کی شان میں

توفیق نے اس کی چوڑی ہیرا ہی
اقبال پہ جس نے فتحیابی پائی
حالی لے جائے کون بازی اُن سے
ہے جن کی رگوں میں خون آصف جاہی

عادت پڑی ہوئی مُشکل سے جاتی ہے

ہو عیب کی خویا کہ ہنس کی عادت مُشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
پچھتے ہی پچھے گا اس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

----- (۱۲) -----

۱۵ یہ رباعی سنہ ۱۳۰۷ء میں جبکہ رستم حیدر آباد میں مقیم تھا اور نواب وقارالامراصبی
سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے۔ لکھنؤ میں گرائن کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون
آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابت فرمیرہکتے ہیں اور اقبال
کے لفظ میں اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔ (حالی)

عاشق کا نوحہ

مرنے پہ مرے وہ روزِ شبِ روئیں گے جب یاد کریں گے مجھے تب روئیں گے
الغٹ پہ - وفا پہ - جاں نثاری پہ مری آگے نہیں دے تھے تو اب روئیں گے

فرقت کی رات

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گزرے اک ختہ جگر کی رات کیونکر گزرے
گزری نہ جس بغیر یاں ایک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیونکر گزرے؟

معشوق کی یاد

یاد اُس کی یہاں وِردِ دُامِ اپنا ہے خالی نہ ہو کبھی وہ جامِ اپنا ہے
کس طرح نہ تیرے کہ ہے نام اُس کا کس طرح نہ کیجئے کہ کامِ اپنا ہے

قول حق کا پاس

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ تنہا تھے پہ اعدا سہ یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ !!! لا حول ولا قوۃ الا باللہ

حُر کی آرزو

حُر کتا تھا لے دل شہِ ذیجاہِ سحرِ گلِ گمرہ نہ ہو رہی حقِ آگاہ سے بل
سہرے گنگلی کوئے ضلالت کب تک؟ اللہ سے ملنا ہو چل شاہ سے بل

یہ زید
 اگر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا اک شام میں بیدار کا بانی نکلا
 سمجھا تھا نہ تھا ہجر غفلت کی زید داں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

توحید

ہستی تری گو نہیں ہے محتاج دلیل صبر دل مضطر کی مگر کیا ہے سبیل؟
 یہ طبع خیس مطین ہو کیوں کر بے دیکھے ہوا نہ مطین جبکہ خلیلؑ

ایضاً

اے عقل کی فہم کی رسائی سے دور اور اک سے اوچل - تو نظر سے مستور
 یہ حسرت دیدل میں قائم رکھو بس یاس کی غفلت میں یہی ہوا ک نور

ایضاً

سفر امانادی میں تری کام آیا سر تیرے لئے حسینؑ نے کٹوایا

۱۵ یہ رباعی اور اس کے آگے چوبیس رباعیاں "علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ" مطبوعہ لاہور

۱۹۰۷ء سے نقل کی گئی ہیں ۱۲

۱۷ چوتھے مصرع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جواب کی طرف اشارہ ہے۔ جو انہوں نے
 جناب الہی میں عرض کیا تھا کہ "بلی و لکن بیطین قلبی"

مر مر روی پاسے - یاد سر تو اکر پایا تھے جس نے اس نے سب کچھ پایا

ایضا

دریا سے اٹھا کے بھاپ مینہ برسا یا پیرا ہن سبز خاک کو ہینسا یا
دانے کو کیا غنسل تناور تو نے پانی جڑ سے چھٹنگ تک دوڑا یا

خدا کی بے نیازی

منوائی ہے ہاں سب سے بازی نے تری طبقے اکٹے ہیں ترکنازی نے تری
ہے کا دہمی اور کھلا اس پہ گواہ جو گھر گھالے ہیں بے نیازی نے تری

طالب صادق آخر کامیاب ہوتا ہے

طالب کا رہے گا پڑ کے پاس آخر دے گا اسے صدق دل ولاں آخر
جھوٹی نہیں گر پائیں - تو آگے پیچے دریا پہ پہنچ رہے گا پیاسا آخر

تشنگی طلب

کب تک کوئی سوزش نہانی کو چھپائے کب تک اپنے کو تشنہ سیراب نہ کماے
کجدار و مرز سے تری اے ساتی! پتھر کا کلیجا ہو تو پانی ہو جبائے

پیری

علم و عمل و کتاب سے نفرت ہے کہنے پڑھنے کے نام سے دشت ہے

تو نے ہر دردِ دُسر سے دی آگے نجات پیری رحمت ہو! مجھ کو صد رحمت ہے

ایضاً

پیری نہیں منسزلِ فنا ہے گویا اب کوئِ کا وقت آگیا ہے گویا
یوں جسم سے ہو گئی حرارت کا فور اک راکھ کا ڈھیر رہ گیا ہے گویا

انسان کی عظمت بقدر قلتِ حاجت ہے

دولت کی ہوس اصل گدائی ہے یہ سامان کی حرص بے نوائی ہے یہ
حاجت کم ہے۔ تو ہے یہ شنشہا ہی اور کچھ نہیں حاجت۔ تو خدائی ہے یہ

افراطِ دولت کی مذمت

محنت سے وصول ایک پتیا ہو اگر کراشرفیوں کی نیولی پر نہ نظر
یہ کیٹچلی میں بھرا ہوا سانپ ہو سانپ! ہاں! سپج سمجھ کے ڈالنا ہاتھ اسپر

دولت کی تعریف

دولت خرمن بھی۔ برقِ خرمن بھی ہے تلوار کی دھار بھی ہو چوٹن بھی ہے
تھوڑا سا اس میں شر۔ تو ہو خیر بہت گر سانپ ہو یہ۔ تو سانپ کا من بھی ہے

حالتِ جودہ پر تسلیع نہونا

حاصل ہے اگر خوشی تو ہو غم کی تلاش گر شہدِ میسر ہے تو ہو ستم کی تلاش
قانع نہیں کوئی حالتِ نقد پہ یہاں جنت میں بھی شاید ہو جہنم کی تلاش

خوشی کی امید رکھنا ہی بڑی خوشی ہے

اولاد کا ہے ایک کے دلیں اراں اور دوسرے پر ہے بارِ اولاد گران
گر چاہے عالمِ تسلیع میں خوشی رکھتے نہ یہاں خوشی کی امید انسان

سب صحبتیں برہم ہو نیوالی ہیں

نقشے ہیں خوشی کے سب بگڑ نیوالے پودے نہیں اسکے جڑ پکڑ نیوالے
مل بیٹھا ہے یہ ناؤ ندیِ سنجوگ ہیں اب کوئی دم میں سب بگڑ نیوالے

جیسی عیت ہوگی ویسی ہی اس پر حکومت کیجائیگی

حاکم سے بھلائی کی توقع ہے محال جب تک کہ رعیت کے بھلے ہو نہ خصال
تم اپنے سوا کسی کے محکوم نہیں عمال میں بس یہی تمہارے اعمال

۱۵۔ اس رباعی میں ایک خاص صحبت کا ذکر ہے جس میں سب اصحابِ تہذیبی و بعد ایک دوسرے سے بگڑ نیوالے تھے
۱۶۔ اس رباعی میں حدیثِ ذیل کی طرف اشارہ ہے یعنی تھما لکھو تھما لکھو ۱۲

دنیا کی موجودہ حالت

ہیں برف سے لگاتار پامال کہیں طاعون ہو نازل کہیں - ہو بچال کہیں
ابتر ہے کچھ ان دنوں نظامِ عالمِ اعمال نہ ہوں خلق کے اعمال کہیں

افسوںِ محبت

ہے جن کو کہ صید دلِ انسانِ خیال لازم ہے کہ پھیلا میں محبت کا جال
استاد کو یاد ہو اگر حب کا عمل تعطیل نہیں نہ چھوڑیں مکتبِ اطفال

زخارفِ نبوی کی بے ثباتی

گلشن میں نہیں ہو تری اے گلِ جوڑی تو نے نہیں آنِ حسن کوئی چھوڑی
تھاجی میں کہ تجھ سے باندھے عہدِ صل پر کیجے کیا؟ عمر ہے تیری تھوڑی

غیروں کو اپنا بنانا

گر چاہو کہ جیتے جی بھلے کہلاؤ اپنوں کو سلوکِ نیک سے پرچاؤ
پر بد نظر ہو گر حیاتِ ابدی بیگانوں کو آشنا بناؤ - جاؤ

کام کا وقت

یارو! نہیں وقتِ عیش و آرام کا یہ موقع ہے اخیرِ فکرِ انجام کا یہ
بس حُبِ وطن کا چپ چکے نامِ بہت اس کام کرو - کہ وقت ہو کام کا یہ

ذلت کی زندگی

نکبت میں ہو بچ و غم خوشی سے اولیٰ رونایا بڑوں کا ہو سہنی سے اولیٰ
ہیں میں میں بے وقار پر دیں میں غار مرنا ہے بس ایسی زندگی سے اولیٰ

قدرِ نعمت بعد زوال

دو چار اگر میں کام کرنے والے ہیں اُن کو ہزاروں نام دہر نوالے
تب قوم کی شاید کہ کھلیں گی آنکھیں مرجائیں گے جب قوم پہ مرے والے

قومی خدمت کا صلہ

کہدو احمقین اصلاح کا ہو قوم کی چاؤ طعنے جھیلو۔ بڑا سٹو۔ گالیاں کھاؤ
یہ قوم کی خدمت کا صلہ ہے ہر دست گر اس پہ قناعت کا ارادہ ہو تو آؤ

مصاحبت کی بات مانتی لازم ہے

گر پیر مغاں کہے ”مرزا کج راز“ ہو مصاحبت اس میں کچھ نہ کچھ اسی بخوار
ہو تانہ مسا کین کا اگر خیر اندیش حضرا ان کا نہ توڑتا سفینہ زہنار

انصاف کی پکار

پادگے نہ کوئی قاف سے لے تا قاف حق تلفیوں کے دلیں نہ ہوں جبکہ شکاف
گر غور سے سمیٹے۔ غل ہی چار طرف انصاف! انصاف! آہ انصاف! انصاف

۱۷ حضرت خضر کے قصہ کی طرف اشارہ ہو دیکھو آیات قرآنی و احادیث و کتب مسکاتین ۱۷
یہ باغی اور اسکے آگے و اور رباعیاں ”علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نو خرم“ اگست ۱۹۰۶ء سے نقل کی گئی ہیں

اپنے دست باز دوسے کام کرنے کی ترغیب
 اتر دیا اسے اپنے بن تیر کے پار کہ تاک تیر دگے ہو کے تو بنوں پہ سوار
 تم ڈوبنے کے یہ کر رہے ہو سامان آدروں کا سہارا نکلنے دالو! ہشیار!

===== (پیر) =====

پیری میں نفس کا اغوا کرنا
 پیری میں نہ عقل چین لینے دیتی کرتا ہستانہ دل کو گر نفس قوی
 یاد آتی ہے جب موت تو سمجھاتا ہے ”بابا کے آمدی دے کے پیر شدی ہم“

===== (پیر) =====

قوموں کی زندگی اور موت میں فرق
 قوام میں زندگی کی ہے لوحِ جہاں چونکہ ٹھٹھے میں ایکٹاں ”پڑاں شیر جواں
 کرنی ہلین دھی“ مردہ قوم نہیں وہ کام جو کام اک کارٹوں ”لکوتا ہے دہاں

===== (پیر) =====

نفس کی خواہشیں دولت کی دشمن ہیں
 یا نفس کی خواہشوں کو روک کر زردار یا فاقہ و فتنہ کے لئے رہ تیار
 لاگے ہوئے ہیں چارہ طرگ گھاٹ میں چور گھر سے ہشیار ہمال در سے ہشیار!

===== (پیر) =====

یہاں صرف دو چیزیں ہیں
 گہر بار اپنا ہو اور نہ دولت اپنی گہنا اپنا - نہ بے قرابت اپنی
 اپنی نہیں کوئی پھپھریا نہ دو کو سوا ایکٹ اپنی ہے - ایکٹ تربت اپنی

اس جس موقع پر ہم کہتے ہیں ”ابھی ہمارا ہی عمری کیا ہے“ اسی طرح ایرانی اس موقع پر یوں بولتے ہیں
 ”وہ کے آمدی کے پیر شدی“ اس باغی میں بڑا کناہ ظاہر کیا گیا ہو کہ نفس عقل کی بات نہیں چاہتا اور پھپھریا
 چاہتا ہے۔ ۱۱

عاشق و معشوق دونوں پر حسن کا تسلط ہے
 ہے حسن ہی کا کرشمہ چشم بدوور عشاق کی بے خودی جینوں کا غرور
 یہ وہ نئے تار ہے لٹے میں جس کے عاشق بھی ہے چور اور معشوق بھی چور

تشنگی طلب

ساقی اے سہا کے کام آنے والے خُم اپنے پرانے پر لٹھ بھانے والے
 پھینٹا اک اور ہر بھی بادہ گلگوں کا اوتھ نہ لبوں کی دوں بھانے والے

علم کی ترقی سے یقینیات بھی مشکوک ہو جاتے ہیں
 بڑھتا جاتا ہے جس قدر علم بڑھ کر کرتے جاتے ہیں شک خیالات میں گھر
 جوتی جاتی ہو وضندلی اتنی ہی فصا جتنی کہ وسیع ہوتی جاتی ہے نظر

دنیا ہر امر شر ہے

دنیا ہر وہ شر جس میں نہیں نام کو خیر رستہ ہر بدی سے اُسکا نیکی سے ہر خیر
 اور سب بڑا یہ عیب ہے اُس میں کہ آہ سہڑنی نہیں یہاں کسی طرح اس کے بغیر

میر انیس لکھنوی

(غیر منسوب)

اردو گوراج چار سو تیرا ہے شہروں میں رواج گو بکوشہ ہر
 پر جیسے تک آئیس کا سخن ہے باقی لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

میر انیس لکھنوی

(غیر مطبوعہ)

دلی کی زبان کا سہارا تھا انیس اور لکھنؤ کی آنکھ کا تارا تھا انیس
دلی جڑ تھی تو لکھنؤ اس کی بہار دونوں کو ہے دعویٰ کہ ہمارا تھا انیس
ہنگامہ مسجد کان پور

(منقول از روزنامہ "بہار"، جلد نمبر ۷، مورخہ اکتوبر ۱۹۱۳ء)

یار این وطن نے قوم کا ساتھ دیا وہی قوم نے دادِ قوم بے رو کو دیا
ہر سو بھڑک اٹھی آگ ہمدردی کی ہنگامہ کان پور نے کام کیا
ایضاً

صد شکر وطن سے کوچِ نفرت نے کیا گہرا بل وطن کے دل میں الفت نے کیا
تقریبوں سے ہو سکا نہ خیر و شر جو کار نمایاں کہ مصیبت نے کیا
ایضاً

تائید میں حق کے جو بلا آتی ہے ساتھ اپنے بہت سی برکتیں لاتی ہے
بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملواتی ہے روٹھے ہوئے بھائیوں کو منواتی ہے
روزانہ ہمدرد کا اجرا

(از سہارن پور، ۱۳ ستمبر ۱۹۱۳ء عیسوی)

موتوں کی ہوس نہیاں خطابوں کی طلب اک ملک کی خدمت کا ہی سودا یارب
سہارن پور کو اسمِ ہاشمی کیجیو اس نام کی لاج تری ہی ہاتھ ہواب

حصہ سوم تمام شد

باہتمام منشی عبدالغفر نیر خاں پرنٹر

عزیزی پریس گرہن چھا پکیا

CALL No.

۸۹۱۹۲۳۱
کتاب ۱۱۲

ACC. NO.

۱۴۳۷۴

AUTHOR

حاجی، خواجہ الطاف حسین

TITLE

کلیات نظم حاجی، ربیع الثانی ۱۸۵۱ء

629-390.

ILLUSTRATION SECTION

13 DEC 2002

8

147/2

THE BOOK MUST BE CHECKED AT THE TIME OF ISSUE

T 10.11.08



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over-due.

ILLUSTRATION SECTION



